اسلام

کا

اقتصادی نظام

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا

اسلام کا اقتصادی نظام

از

حضرت امیر المومنین المصلح الموعود میرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ

بار اول
شائع کردہ دفتر تحریک جدید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

ایک دفعہ پھر!

آج سے انچاس ۴۹ سال پیشتر ۲۷ر دسمبر ۱۸۹۶ء کو خدا تعالےٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے ذریعہ تمام مذاہب کی کانفرنس میں لاہور کے مقام پر اس بات کا ثبوت بہم پہنچایا کہ مذہب **اسلام** ہی ایک زندہ مذہب ہے اور اُسکا پیش کردہ خدا زندہ خدا! کیونکہ اسلام کے زندہ خدا نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خوشخبری دی کہ مذاہب کانفرنس میں حضور کی طرف سے اسلام کی تائید میں لکھا ہوا مضمون سب مضمونوں پر بالا رہیگا۔ چنانچہ جب مذاہب کانفرنس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا مضمون پڑھا گیا تو جملہ حاضرین جلسہ اور پریس کے نمائندگان نے خدا تعالیٰ کی دی ہوئی خوشخبری کے مطابق اِس بات کا اعتراف کیا کہ واقعہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا مضمون سب مضامین پر بالا رہا اور ان کے اس اعتراف نے اس امر پر مہر کردی کہ مذہب اسلام زندہ مذہب ہے کیونکہ اس کا حقیقی نمائندہ ہی سب پہلوانوں پر غالب آیا اور اس غلبہ کی وجہ سے خدا کی وہ بات پوری ہوئی جو اس نے بطور خوشخبری پہلے ہی بتادی تھی اور اس طرح سے زندہ مذہب اور زندہ خدا دنیا کو دکھا دیا گیا۔

۲۶ر فروری ۱۹۴۵ء کو "**ایک دفعہ پھر**" خدا تعالےٰ نے مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے اولوالعزم خلیفہ اور آپ کے حسن و احسان میں مثیل کے ذریعہ اسی قسم کے واقعہ کا اعادہ کروایا جس نے یہ ثابت کر دیا کہ اسلام کا خدا زندہ خدا ہے اور مذہب اسلام زندہ مذہب! ۱۷ر فروری ۱۹۴۵ء کے قریب حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کو زندہ خدا نے بتایا کہ آپ کے ہاتھ سے عنقریب ایک ایسا کام ہونے والا ہے جس کی وجہ سے اہل علم طبقہ میں اور خصوصاً پنجاب یونیورسٹی سے تعلق رکھنے والے اہل علم گروہ میں یہ خیال پیدا ہو جائیگا کہ حضور کا علم ایک الٰہی عطا ہے اور یہ کہ آپ الٰہی تائید اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ اِس خبر کے مطابق ۲۶ر فروری ۱۹۴۵ء کو اللہ تعالےٰ نے احمدیہ ہوسٹل لاہور میں مختلف مذاہب کے لوگوں کے اجتماع میں حضور سے "اسلام کے اقتصادی نظام" کے موضوع پر ایک علمی تقریر کروائی اُس کے سننے کے بعد مختلف مذاہب کے لوگ حضور کی شان میں ایسے رطب اللسان ہوئے کہ جس کو قلم سے ادا کرنا مشکل ہے۔ اور انہوں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ قرآن مجید کا پیش کردہ اقتصادی نظام ہی ایک ایسا نظام ہے جو دنیا میں امن قائم کر سکتا ہے اور یہی ایک نظام ہے جو اس قابل ہے کہ اس کو دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔ گویا پھر ایک واقعہ کا اعادہ انچاس سال بعد کیا گیا جس سے زندہ مذہب اور زندہ خدا دنیا کے سامنے پیش کیا گیا۔

۱۷ فروری ۱۹۴۵ء کے قریب حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے یہ رؤیا دیکھا کہ :-

اخبار "انقلاب لاہور" کا ایک پرچہ حضور کے ہاتھ میں ہے اور حضور اُسے پڑھ رہے ہیں۔ جونہی آپ کی نظر ایک صفحہ پر پڑی تو آپ نے دیکھا کہ کچھ سطریں لکھی ہوئی ہیں اور کچھ سطریں اُڑی ہوئی ہیں اور پھر ڈیڑھ سطر لکھی ہوئی ہے اور اسکے بعد پھر کچھ سطریں اُڑی ہوئی ہیں جس طرح کسی مضمون کے بعض حصّے سنسر نے کاٹ دیئے ہوں۔ درمیان میں جو سطر لکھی ہوئی ہے۔ جب حضور اُسے پڑھتے ہیں تو اس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ "امام جماعت احمدیہ نے پنجاب یونیورسٹی کا انٹرنس کا امتحان پاس کرلیا ہے"۔ یہ خبر جونہی حضور نے پڑھی تو حضور کو اپنے نفس پر بہت غصّہ آیا اور آپ نے دل میں کہا کہ "میں نے یہ امتحان کیوں دیا جبکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنا علم دیا ہے اور اتنا بلند مقام دیا ہے تو مجھے انٹرنس کا امتحان دینے کی کیا ضرورت تھی"۔ جب ایک دو منٹ کے بعد آپ کے غصّہ کی حالت دُور ہوئی تو آپ نے خیال کیا کہ جب آپ نے انٹرنس کا امتحان دیا ہی ہے تو یقیناً یہ کوئی قابل اعتراض بات نہ ہوگی اس میں بھی ضرور کوئی الٰہی حکمت ہوگی اور پھر حضور اپنے دل میں کہتے ہیں کہ جب انٹرنس کا امتحان پاس کرلیا ہے تو اب بی۔ اے کا امتحان بھی دے دینا چاہیئے پھر آپ کو خیال آتا ہے کہ بی۔ اے کا امتحان تو ایف۔ اے کا امتحان پاس کئے بغیر نہیں دیا جاسکتا۔ مگر خود ہی حضور کہتے ہیں کہ گو یہ عام قاعدہ ہے مگر غالباً یونیورسٹی حضور کو بی۔ اے کا امتحان دینے کی اجازت دے دیگی۔

پس اس رؤیا میں حضرت امیر المومنین کو خدا تعالیٰ نے یہ خبر دی تھی کہ آپ کے ذریعہ ایک ایسا اہم کام ہونیوالا ہے جس کی وجہ سے آپ کا اثر اور رسوخ پنجاب یونیورسٹی سے تعلق رکھنے والے طبقہ میں بڑھ جائیگا اور وہ آپ کی وجاہت کے قائل ہو جائیں گے اور اس میں داخلہ اور نفوذ کے بعد پھر ایک اور موقعہ پیدا ہوگا جس سے اس اثر اور رسوخ اور نفوذ میں ترقی ہوگی۔

اس رؤیا کے مطابق ۲۶ فروری ۱۹۴۵ء کو احمدیہ ہوسٹل واقعہ ۳۲۔ ڈیوس روڈ لاہور میں احمدیہ انٹرکالجیئیٹ ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز امام جماعت احمدیہ نے اسلام کے اقتصادی نظام کے موضوع پر ایک ہنگامہ خیز اور انقلاب لانے والی تقریر فرمائی۔ اس تقریر میں احمدی احباب کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں مسلم اور غیر مسلم معززین بھی شامل تھے جن کی کثرت اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ طبقہ اور پنجاب یونیورسٹی کے پروفیسر اور طلباء سے تعلق رکھتی تھی۔

اس تقریر کی صدارت مسٹر رامچند مچندہ صاحب ایڈووکیٹ ہائی کورٹ لاہور نے کی اور یہ تقریر ساڑھے چار بجے شام شروع ہوکر سوا سات بجے تک مسلسل اڑھائی گھنٹے ہوتی رہی۔ تقریر کے دوران میں پروفیسر اور وکلاء اور دیگر اہل علم دوست کثرت سے نوٹ لیتے رہے اور اس تقریر کو حاضرین نے ایسے شوق سے سُنا کہ اتنے لمبے عرصہ تک لوگ اسطرح بیٹھے رہے کہ گویا اُن کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ تقریر کے خاتمہ پر صاحب صدر نے ایسے رنگ میں تقریر کی جس سے یہ ظاہر تھا کہ وہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کے

علم سے بہت متاثر ہیں۔ اور یہ کہ جس اسلام کو آپ پیش کرتے ہیں وہی ایک ایسا مذہب ہے جو اس قابل ہے کہ دنیا اس کی خوبیوں کا اقرار کرے۔ چنانچہ صاحب صدر نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ :۔

”میں اپنے آپکو بہت خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ مجھے ایسی قیمتی تقریر سننے کا موقعہ ملا اور مجھے اس بات سے خوشی ہے کہ تحریک احمدیت ترقی کر رہی ہے اور نمایاں ترقی کر رہی ہے۔ جو تقریر اس وقت آپ لوگوں نے سُنی ہے اس کے اندر نہایت قیمتی اور نئی نئی باتیں حضرت امام جماعت احمدیہ نے بیان فرمائی ہیں۔ مجھے اس تقریر سے بہت فائدہ ہوا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ لوگوں نے بھی ان قیمتی معلومات سے فائدہ اٹھایا ہوگا۔ مجھے اس بات سے بھی خوشی ہے کہ اس جلسہ میں نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم بھی شامل ہوئے ہیں اور مجھے خوشی ہے کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے تعلقات بہتر ہو رہے ہیں جماعت احمدیہ کے بہت سے معزز دوستوں سے مجھے تبادلہ خیالات کا موقعہ ملتا رہتا ہے یہ جماعت اسلام کی وہ تفسیر کرتی ہے جو اس ملک کیلئے نہایت مفید ہے۔ پہلے تو میں سمجھتا تھا اور یہ میری غلطی تھی کہ اسلام اپنے قوانین میں صرف مسلمانوں کا ہی خیال رکھتا ہے غیر مسلموں کا کوئی لحاظ نہیں رکھتا۔ مگر آج حضرت امام جماعت احمدیہ کی تقریر سے معلوم ہُوا کہ اسلام تمام انسانوں میں مساوات کی تعلیم دیتا ہے۔ اور مجھے یہ سنکر بہت خوشی ہے۔ میں غیر مسلم دوستوں سے کہونگا کہ اس قسم کے اسلام کی عزت و احترام کرنے میں آپ لوگوں کو کیا عذر ہے؟ آپ لوگوں نے جس سنجیدگی اور سکون سے اڑہائی گھنٹہ تک حضرت امام جماعت احمدیہ کی تقریر سُنی اگر کوئی یورپین اس بات کو دیکھتا۔ تو حیران ہوتا کہ ہندوستان نے اتنی ترقی کرلی ہے۔ جہاں میں آپ لوگوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ لوگوں نے سکون کے ساتھ تقریر کو سُنا وہاں میں اپنی طرف سے اور آپ سب لوگوں کی طرف سے حضرت امام جماعت احمدیہ کا بار بار اور لاکھ لاکھ شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اپنی نہایت ہی قیمتی معلومات سے پُر تقریر سے ہمیں مستفید فرمایا۔“

صاحب صدر کے ان ریمارکس کو پڑھ کر ہی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جس بات کی خبر خدا تعالےٰ نے حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کو دی تھی وہ کس شان و شوکت سے پوری ہوئی اور کس طرح غیر مسلم دوستوں نے تقریر سننے کے بعد اعتراف کیا۔ کہ حضرت امام جماعت احمدیہ کا علم کوئی کسبی علم نہیں بلکہ خدائی عطا ہے اور کسطرح اہل علم طبقہ میں حضور کی وجاہت اثر پذیر ہوئی۔

علاوہ ازیں اس تقریر کا اثر جسقدر سامعین پر تھا وہ اس سے بھی پتہ لگتا ہے کہ ایک پروفیسر اس تقریر کو سنکر رو پڑا۔ اور بعض کمیونزم کے حامی طلباء نے اس خیال کا اظہار کیا کہ وہ اسلامی سوشلزم کے قائل ہو گئے ہیں اور اب اسے صحیح اور درست تسلیم کرتے ہیں۔ پھر یونیورسٹی اکنامکس ڈیپارٹمنٹ کے ایم۔اے کے بعض طلباء نے حضور کی اس تقریر کے متعلق یہ خواہش ظاہر کی کہ اسکا انگریزی ترجمہ چھپوا کر یونیورسٹی اکنامکس ڈیپارٹمنٹ کے پروفیسروں کے پاس بھیجا جانا چاہیئے۔ نیز انہوں نے یہ بھی کہا کہ جہاں مختلف سکیمیں ہندوستان کی آئندہ ترقی او

بہبودی کیلئے دوسرے لوگوں کی طرف سے پیش ہو رہی ہیں وہاں یہ اسلامی نظام جو حضور نے پیش فرمایا ہے مسلمانوں کے خیالات کی نمائندگی کریگا الغرض جوں جوں اس تقریر کی شہرت ہوئی بعض لوگ جو یونیورسٹی سے تعلق رکھتے تھے اور چوٹی کے پروفیسر تھے انہوں نے اپنے ملنے والوں سے معذرتیں کیں اور اس امر پر افسوس کیا کہ وہ بوجہ بعض دوسری مصروفیتوں کے اس عظیم الشان لیکچر کے سننے سے محروم رہے اسمیں کوئی شک نہیں کہ بعض لوگوں نے بعد میں اعتراضات کئے لیکن ایسا وسیع مضمون ایک ہی لیکچر میں مکمل نہیں ہو سکتا ان اعتراضوں نے صرف آئندہ کے لئے کام کا اور راستہ کھولدیا ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔

پس خدا تعالیٰ نے جس طرح آج سے انچاس سال قبل یہ ثبوت بہم پہنچایا تھا کہ اسلام زندہ مذہب ہے، اور اس کا پیش کردہ خدا زندہ خدا ہے اسی طرح آج بھی خدا تعالیٰ نے دنیا کے سامنے جہاں اپنے علموں پر ناز کرنیوالے جمع تھے اس بات کو ثابت کر دکھایا کہ اسلام ہی زندہ مذہب ہے، اور اس کی تعلیم ہی اس قابل ہے کہ دنیا کی صحیح راہنمائی کر سکے اور صحیح امن قائم کر سکے۔ اور جو خبر خدا تعالیٰ نے حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ کو دی تھی کہ "انقلاب" میں چھپا ہے کہ "امام جماعت احمدیہ نے انٹرنس کا امتحان پاس کر لیا ہے"۔ اس خبر کے بموجب حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ کی تقریر سے یونیورسٹی کے پروفیسروں اور بیرسٹروں اور وکلاء کے خیالات میں ایک انقلاب پیدا کیا گیا اور خدا کی بتائی ہوئی بات پوری ہوئی اور اس نے ثابت کر دیا کہ اسلام کا خدا زندہ خدا ہے فالحمد للہ علیٰ ذالک

حضور کی اس انقلاب پذیر تقریر کے منصہ ظہور پر آنے کی محرک احمدیہ انٹر کالجیئیٹ ایسوسی ایشن ہے کیونکہ اسی نے حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کی خدمت اقدس میں تقریر کیلئے درخواست کی جسکو حضور نے ازراہ شفقت منظور فرمایا۔ پھر اس تقریر کے کامیاب طور پر علمی طبقے میں ہونیکا سہرا بھی انہی کے سر ہے کیونکہ تقریر کے ضمن میں جن جن انتظاموں کی ضرورت تھی انہوں نے انکو نہایت ہی محنت اور بہترین طریقے سے سرانجام دیا۔

پس اس شکریہ کے باعث تو یہی لوگ ہیں کیونکہ انہی کی بدولت دنیا نے ایک ایسا علمی خزانہ پایا جو قیامت تک دنیا کی ضرورتوں کو پورا کرتا رہیگا فجزاھم اللہ احسن الجزاء پھر مولوی محمد یعقوب صاحب مولوی فاضل بھی شکریہ کے مستحق ہیں کیونکہ انکی سعی سے یہ خزانہ ضبط میں آیا اور پھر مرتب ہو کر سب احباب اس سے مالا مال ہو رہے ہیں اور قیامت تک مالا مال ہوتے رہیں گے۔ انشاء اللہ۔

خاکسار
نورالحق مولوی فاضل واقف زندگی
دفتر ترجمۃ القرآن تحریک جدید قادیان
[illegible]

(فیض اللہ پرنٹنگ پریس قادیان)

أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ◆ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَ النَّاصِرُ

اسلام کا اقتصادی نظام

مضمون کی اہمیت میرا خطبہ آج اسلام کے اقتصادی نظام پر ہے۔ یہ مضمون اتنا وسیع ہے کہ اسکو تھوڑے سے وقت میں بیان کرنا ایک نہایت ہی مشکل کام ہے اور بعض دفعہ کسی چیز کو اس کے اصل مقام سے جدا کر کے پیش کر دینا اُسے مبہم بنا دیتا اور اسکی اہمیت کو کمزور کر دیتا ہے مگر پھر بھی میں کوشش کرونگا کہ جہاں تک ہو سکے مختصر طور پر اور ایسی صورت میں کہ میرا مضمون سمجھ میں آ سکے میں اسلام کے اقتصادی نظام کو آپ لوگوں کے سامنے پیش کر دوں اور وہ ضروری ضروری امور جو اُسکے ماحول سے تعلق رکھتے ہیں اور اُسکے بنیادی اصول کے ساتھ وابستہ ہیں انہیں بھی بیان کر دوں۔ چونکہ اسلام کا اقتصادی نظام ایک ایسی شکل رکھتا ہے جیسے ایک زنجیر

اس نظام سے مشابہت ہے جسے آجکل کمیونزم کہتے ہیں۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں میرا مضمون ادھورا رہیگا اگر میں اس تحریک کے متعلق بھی اسلامی نقطۂ نگاہ پیش نہ کروں اور وہ فرق بیان نہ کروں جو اسلامی اقتصادی تحریک اور کمیونزم کی اقتصادی تحریک میں ہیں۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ جسطرح شاخیں اپنے درخت کی جڑوں میں سے نکلتی ہیں۔ اسی طرح مختلف مسائل پہلے سے قائم شدہ بنیادی مسائل میں سے نکلتے ہیں۔ اور ان بنیادی مسائل کے سمجھے بغیر بعد میں پیدا ہونے والے مستخرج مسائل کی حقیقت کو لوگ آسانی کے ساتھ نہیں سمجھ سکتے اس لئے اسلام کے اقتصادی نظام کو بیان کرنے سے پہلے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اختصار کے ساتھ یہ بھی بیان کردوں کہ اسلام کے کلّی نظام کی بنیاد کس امر پر ہے۔

اسلام کے کلّی نظام کی بنیاد

اسلام اپنے تمام سیاسی اقتصادی اور تمدنی اور دیگر ہر قسم کے نظاموں کی بنیاد اس امر پر رکھتا ہے کہ بادشاہت اور مالکیت خدا تعالےٰ کو ہی حاصل ہے چنانچہ سورۃ زخرف رکوع سات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تَبٰرَكَ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ (الزخرف ع۷) یعنی بہت برکت والا وہ خدا ہے جس کے قبضہ میں آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے اسی طرح جو کچھ انکے درمیان ہے وہ بھی اسی کے قبضہ و تصرف میں ہے۔ اور ان چیزوں کا اپنے مقصد اور مدعا کو پورا کر کے جب فنا کا وقت آئیگا تو اس کا علم بھی اسی کو ہے۔ اور پھر آخر ہر چیز خدا کی طرف ہی جانیوالی ہے۔ اس آیت میں قرآن کریم نے یہ بات پیش کی ہے۔ کہ درحقیقت آسمان اور زمین خدا تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ہر چیز جو یہاں زندگی گذار رہی ہے اس کا منتہیٰ اور مرجع خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔

اگر کوئی شخص کسی امر کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے۔ یا کوئی امانت اس کے سپرد کی جاتی ہے۔ تو وہ اس ذمہ داری کی ادائگی اور اس امانت میں خیانت نہ کرنے کے متعلق امانت سپرد کرنے والے کے سامنے جواب دہ ہوتا ہے۔ لیکن وہ شخص جو آزاد ہوتا ہے اپنے متعلق یہ سمجھتا ہے کہ میں جسطرح چاہوں کروں میں کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہوں پس قرآن کریم نے اس آیت میں یہ بتایا ہے۔ کہ دنیا جہان کی حکومتیں بادشاہتیں اور اقتدار چونکہ خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں اور اُس کی طرف سے بطور امانت انسانوں کے سپرد ہیں۔ اسلئے سب انسان بادشاہتوں اور ظاہری ملکیتوں کے متعلق اپنے آپ کو آزاد نہیں سمجھ سکتے۔ وہ بظاہر بادشاہ یا بظاہر مالک ہیں لیکن حقیقت میں خدا تعالےٰ کی طرف سے متولی ہیں۔ اسلئے جب وہ

خدا تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونگے انہیں ان امانتوں کے صحیح مصرف کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حضور جواب دہ ہونا ہوگا

حکومت و بادشاہت کے متعلق اسلام کا نقطۂ نگاہ

پھر قرآن کریم یہ امر بھی صراحتاً بیان فرماتا ہے۔ کہ بادشاہت خدا تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے اسپر کسی کا ذاتی حق نہیں ہوتا۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (آل عمران ع۳) یعنی اے مخاطب تو کہدے کہ اے اللہ تمام بادشاہتوں کے مالک خدا تو جس کو چاہتا ہے بادشاہت دیتا ہے اور جس کے ہاتھ سے واپس لینا چاہے۔ اُس کے ہاتھ سے واپس لے لیتا ہے جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے۔ ساری خیر اور نیکی تیرے ہاتھ میں ہے۔ اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اس آیت میں بھی بتایا گیا ہے۔ کہ بادشاہت جب کسی شخص کے ہاتھ میں آتی ہے۔ تو وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بطور امانت آتی ہے۔ اسکے یہ معنی نہیں کہ ہر صورت میں ہر بادشاہ اور مقتدر کو خدا تعالیٰ کی طرف سے حکومت ملتی ہے خواہ وہ کیسا ہی جابر بادشاہ ہو یا کیسا ہی ظالم ہو یا کیسا ہی گندہ اور خراب ہو۔ وہ ہر حالت میں خدا تعالیٰ کا نمائندہ ہے، بلکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ بادشاہت ملنے کے سامان خدا تعالیٰ کی طرف سے پیدا کئے جاتے ہیں۔ پس اگر کسی کو بادشاہت ملتی ہے۔ تو وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کے پیدا کردہ اسباب سے کام لینے کے نتیجہ میں حاصل ہوتی ہے۔ اور جبکہ بادشاہت خدا تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے تو جسے بھی بادشاہت یا کوئی اقتدار حاصل ہو وہ زیادہ سے زیادہ دنیا میں خدا تعالیٰ کی طرف سے وکیل اور متولی قرار دیا جا سکتا ہے حاکم مطلق یا مالک مطلق قرار نہیں دیا جا سکتا۔ آخری طاقت اور آخری فیصلہ کرنیوالی ہستی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ بہرحال جو بھی حاکم ہو بادشاہ ہو ڈکٹیٹر ہو یا پارلیمنٹ کی صورت میں بعض افراد کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور ہو۔ اگر وہ کوئی آئین دنیا میں نافذ کرتے ہیں تو وہ اس آئین کے نفاذ میں خدا تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہیں اگر وہ کوئی ایسی خرابی پیدا کرینگے جس سے خدا تعالیٰ نے روکا ہوا ہے یا کوئی ایسی نیکی ترک کرینگے جس کے کرنیکا خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہوا ہے تو وہ خدا تعالیٰ کے سامنے ایک مجرم کی حیثیت میں پیش ہونگے۔ ویسے ہی جیسے ایک باغی غلام یا سرکش ملازم اپنے آقا کے سامنے پیش کیا جاتا ہے، اور وہ خدا تعالیٰ سے اپنے ان افعال کی سزا پائیں گے خواہ وہ بادشاہ کہلاتے ہوں یا ڈکٹیٹر کہلاتے ہوں یا پارلیمنٹ کہلاتے ہوں۔ پس اس آیت کا مطلب یہ نہیں۔ کہ ہر شخص جو بادشاہ بنتا

نہ خدا تعالیٰ کی مرضی سے بنتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے دائرہ عمل میں خدا تعالیٰ کی ملکیت پر قابض ہوتا ہے۔ اسلئے اُسے خدائی آئین کے مطابق حکومت کرنی چاہیئے۔ اور خدا تعالیٰ کی نیابت میں اپنے اقتدار کو استعمال کرنا چاہیئے۔ ورنہ وہ گنہگار ہوگا۔ ہاں بعض حالات میں خدا تعالیٰ کی طرف سے بھی بادشاہ مقرر کئے جاتے ہیں جو بہر حال نیک اور منصف ہوتے ہیں۔ مگر اُن کی بادشاہتیں دینی ہوتی ہیں دنیوی نہیں۔

حکّام کیلئے اسلامی احکام

اسی طرح حکام کے بارے میں فرماتا ہے کہ بعض حاکم ایسے ہوتے ہیں کہ اِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَیُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ (بقرہ ع ۲۵) یعنی دنیا میں کئی حاکم اور بادشاہ ایسے ہوتے ہیں کہ جب انہیں بادشاہت مل جاتی ہے یعنی وہ خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ طاقتوں سے کام لیکر حکومت پر قابض ہو جاتے ہیں۔ تو بجائے اسکے کہ رعایا اور ملک کی خدمت کریں۔ بجائے اسکے کہ امن قائم کریں۔ بجائے اس کے کہ لوگوں کے دلوں میں سکینت اور اطمینان پیدا کریں وہ ایسی تدابیر اختیار کرنی شروع کر دیتے ہیں جن سے قومیں قوموں سے قبیلے قبیلوں سے اور ایک مذہب کے ماننے والے دوسرے مذہب کے ماننے والوں سے لڑنے جھگڑنے لگ جاتے ہیں۔ اور ملک میں طوائف الملوکی کی حالت پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح وہ ایسے طریق اختیار کرتے ہیں جن سے ملک کی تمدنی اور اقتصادی حالت تباہ ہو جاتی ہے اور آئندہ نسلیں بیکار ہو جاتی ہیں۔ حَرْث کے لغوی معنے تو کھیتی کے ہیں مگر یہاں حَرْث کا لفظ استعارۃً وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ جتنے ذرائع ملک کی اقتصادی ترقی کے یا جتنے ذرائع ملک کی مالی حالت کو ترقی دینے والے یا جتنے ذرائع ملک کی تمدنی حالت کو بہتر بنانے والے ہوتے ہیں اُن ذرائع کو اختیار کرنیکی بجائے وہ ایسے قوانین بناتے ہیں جن سے تمدن تباہ ہو۔ اقتصاد برباد ہو۔ مالی حالت میں ترقی نہ ہو۔ اس طرح وہ نسلوں کی ترقی پر تبر رکھدیتے ہیں اور ایسے قوانین بناتے ہیں جس سے آئندہ پیدا ہونیوالی نسلیں اپنی طاقتوں کو کھو بیٹھتی ہیں اور ایسی تعلیمات جن کو سیکھ کر وہ ترقی کر سکتی ہیں ان سے محروم رہ جاتی ہیں۔ پھر فرماتا ہے وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ یعنی اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ اسلئے ایسے بادشاہ اور حکمران خدا تعالیٰ کی نگاہ میں مغضوب ہیں۔ اور وہ اُن کو سخت نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

اس آیت سے یہ نتیجہ نکل آیا کہ اسلام کے نزدیک وہی بادشاہ صحیح معنوں میں بادشاہ کہلا سکتا ہے جو لوگوں کے لئے ہر قسم کا امن مہیا کرے۔ اُنکی اقتصادی حالت کو درست کرے اور اُنکی جانوں کی حفاظت کرے۔ کیا بلحاظ صحت کا

خیال رکھنے کے اور کیا بلحاظ اِسکے کہ وہ غیر ضروری جنگیں نہ کرے اور اپنے ملک کے افراد کو بلا وجہ مرنے نہ دے ۔ گویا ہر قسم کے امن اور جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری اسلام کے نزدیک حکومت پر عائد ہوتی ہے ۔ اور وہ اس امر کی پابند ہے کہ ملک کی ترقی اور رعایا کی بہبودی کا ہمیشہ خیال رکھے ۔

حکام کو افراد و اقوام کے درمیان عدل قائم کرنے کی تاکید

اِسی طرح دوسری جگہ فرماتا ہے ۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا وَ اِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ ۔ اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہٖ ۔ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیْعًا بَصِیْرًا (نسا، ع ۸)

یعنی اے لوگو ! اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے ۔ کہ جب تمہیں موقعہ ملے کہ تم بادشاہت کی امانتیں کسی کے سپرد کرو ۔ تو یاد رکھو تم یہ امانتیں ہمیشہ ان لوگوں کے سپرد کیا کرو جو تمہارے نزدیک بادشاہت اور حکومت کے اہل ہوں اور جن کے اندر یہ قابلیت پائی جاتی ہو کہ وہ حکومتی کاموں کو عمدگی سے سرانجام دے سکیں ۔ اور پھر اے وہ لوگو جن کے سپرد ملک کے لوگ بادشاہت کی امانت کریں ۔ (جہاں ہم نے ملک کے لوگوں کو یہ حکم دیا ہے کہ تم حکومت کیلئے ایسے ہی لوگوں کا انتخاب کرو جو اس امانت کو سنبھالنے کے اہل ہوں جو ملک کیلئے بہترین راہنما ہوں اور جو رعایا کیلئے ہر قسم کی ترقی کے سامان جمع کرنے کے قابل ہوں وہاں) تم لوگوں کو جنکا حکومت کیلئے انتخاب کیا گیا ہے ۔ اور جن پر اعتماد کرکے ملک کے لوگوں نے حکومت کی امانت اُن کے سپرد کی ہے ہم یہ حکم دیتے ہیں کہ اِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ یعنی جب تم کوئی فیصلہ کرو تو عدل سے کام لو ۔ یہ نہ ہو کہ کسی فرد کو بڑھا دو اور کسی کو نیچے گرا دو ۔ کسی قوم کو اونچا کردو اور کسی قوم کو نیچا کردو ۔ کسی قوم میں تعلیم پھیلا دو اور کسی قوم کو جاہل رکھو ۔ کسی کی اقتصادی ضروریات کو پورا کرو ۔ اور کسی کی اقتصادی ضروریات کو نظر انداز کردو ۔ بلکہ جب تم لوگوں کے حقوق کا فیصلہ کرو تو ہمیشہ عدل و انصاف سے فیصلہ کرو ۔ رعایت یا بے جا طرفداری سے کام نہ لو ۔ پھر فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہٖ ہمارا یہ حکم ایسا نہیں جیسے بادشاہ بعض دفعہ بغیر کسی خاص مقصد یا بغیر کسی خاص حکمت کے کہدیا کرتے ہیں کہ ہمارا منشا یوں ہے بس اِسی طرح کیا جائے ہم اِن بادشاہوں کی طرح بغیر سوچے سمجھے یہ حکم نہیں دے رہے بلکہ ہم تمہارے خالق و مالک خدا ہیں اور ہم تمہیں جو کچھ حکم دے رہے ہیں ۔ اِسی میں تمہارا فائدہ اور تمہارا سکھ ہے ۔ اگر تم ایسے حاکم مقرر کروگے جو اچھے ہونگے جو حکومت کے فرائض کو صحیح طور پر ادا کرنے والے ہونگے ۔ جو اس امانت کی

قدر و قیمت کو سمجھتے ہونگے تو اس میں تمہارا اپنا فائدہ ہے۔ اور اے حاکمو! اگر تم لوگوں کی جانوں کی حفاظت کرو گے اگر تم ان کے اموال کی حفاظت کرو گے۔ اگر تم اپنے فیصلوں میں ہمیشہ عدل کو ملحوظ رکھو گے۔ اگر تم افراد اور اقوام میں تفریق سے کام نہیں لو گے۔ اگر تم چھوٹوں اور بڑوں سب سے یکساں سلوک کرو گے۔ اگر تم ملک کی مجموعی حالت کو درست رکھنے کی ہمیشہ کوشش کرو گے۔ اگر تم ان بادشاہوں کے نقش قدم پر نہیں چلو گے جو کسی کو بڑھا دیتے ہیں اور کسی کو گرا دیتے ہیں اور کسی کو ناواجب سزا دیدیتے ہیں اور کسی کی ناواجب رعایت کر دیتے ہیں تو تم صرف ہمارا حکم ہی پورا نہیں کرو گے بلکہ انجام کے لحاظ سے یہ امر خود تمہارے لئے بھی بہتر ہو گا۔ پھر فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیۡعًۢا بَصِیۡرًا یعنی اللہ تعالیٰ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ لوگ دنیا کے ظالم بادشاہوں کی ایڑیوں کے نیچے کچلے گئے۔ اور وہ تباہ و برباد کئے گئے۔ بادشاہوں نے اُن پر ظلم کیا۔ اور ان کے حقوق کو انتہائی بیدردی کے ساتھ پامال کر دیا۔ یہ حالات خدا نے دیکھے اور اس کی غیرت نے برداشت نہ کیا کہ بنی نوع انسان ہمیشہ ظلموں کے نیچے دبتے چلے جائیں اور حکام اپنی من مانی کارروائیاں کرتے رہیں پس اس نے چاہا کہ اس بارہ میں خود ہدایات دے چنانچہ جب ظلم اپنی انتہا تک پہنچ گیا۔ اور لوگوں نے ہمارے حضور چلّا کر کہا کہ اے خدا! اس قسم کے حاکم ہم پر مسلط ہو رہے ہیں جو ہمارے حقوق کو ادا نہیں کرتے تو خدا نے فیصلہ کیا کہ آئندہ اپنی شریعت میں یہ حکم نازل فرما دے کہ ہمیشہ حکام انتخاب سے مقرر کئے جائیں۔ اور ایسے حاکم چنے جائیں جو انصاف اور عدل کا مادہ اپنے اندر رکھتے ہوں۔ اور حکومت کے اہل ہوں۔ اسی طرح حکام کو خدا نے اپنی شریعت میں یہ حکم دیدیا کہ دیکھو ہمیشہ عدل اور انصاف سے کام لو۔ ملک کی اقتصادی حالت کو ترقی دینے کی کوشش کرو۔ رعایا کے جان و مال کی حفاظت کرو۔ اقوام اور افراد میں تفریق پیدا نہ کرو۔ ایسی تدابیر اختیار نہ کرو جو ملک کی ترقی میں روک ڈالنے والی یا آئندہ نسلوں کو تباہ کرنے والی ہوں۔ بلکہ ہمیشہ ایسے طریق اختیار کرو اور ایسے قوانین بناؤ جو ملک کی ترقی کا موجب ہوں۔

حکومت کے متعلق اسلام کی چار اصولی ہدایات

یہ وہ ماحول ہے جس میں اسلام اقتصادی نظام پیش کرتا ہے اور بغیر کسی مناسب ماحول کے کوئی اچھے سے اچھا نظام بھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اسلام دنیا میں پہلا مذہب ہے جس نے (۱) انتخابی حکومت کا اصول مقرر کیا ہے اور حکومت کی

بنیاد اہلیت پر قائم کی۔ (۲) جس نے حکومت کو ملکیت نہیں بلکہ امانت قرار دیا ہے۔ (۳) جس نے لوگوں کی عزت۔ جان اور مال کی حفاظت کو حکومت کا مقصد قرار دیا ہے (۴) جس نے حاکم کو افراد اور اقوام کے درمیان عدل کرنے کی تاکید فرمائی اور اُسے خدا تعالیٰ کے سامنے جوابدہ قرار دیا ہے۔

غرض اسلام کے نزدیک کوئی نسلی بادشاہ نہیں وہ صاف اور کھلے طور پر فرماتا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَھْلِھَا یعنی خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم حکومت کی امانت ہمیشہ اہل لوگوں کے سپرد کیا کرو۔ پس اسلام کسی نسلی بادشاہت کا قائل نہیں بلکہ اسلام کے نزدیک حکومت انتخابی اصل پر قائم ہے اور مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ غور و فکر کے بعد اپنی قوم میں سے بہترین شخص کے سپرد حکومت کی امانت کیا کریں۔ جب تک مسلمان قرآن کریم کے احکام پر عمل کرتے رہے وہ اسی رنگ میں حکام کا انتخاب کرتے رہے اور آئندہ بھی جب مسلمانوں کو قرآن کریم کے اِن احکام پر عمل کرنے کی توفیق حاصل ہو گی اُن کے لئے پہلا حکم یہی ہو گا۔ کہ تم خود کسی شخص کو حکومت کیلئے منتخب کرو۔ اور پھر دوسرا حکم یہ ہو گا کہ تم کسی کو اسلئے نہ چنو کہ وہ اعلیٰ خاندان میں سے ہے کسی کو اسلئے نہ چنو کہ وہ جابر ہے۔ کسی کو اسلئے نہ چنو کہ وہ مالدار ہے۔ کسی کو اسلئے نہ چنو کہ اُسکے ساتھ جتھہ ہے بلکہ تم اسلئے چنو کہ وہ ملک کی حکومت کیلئے بہترین شخص ثابت ہو گا۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے حکام کو یہ حکم دیدیا کہ جب تمہارا انتخاب عمل میں آ جائے تو عدل و انصاف سے کام لو۔ یہی وہ روح تھی جس نے بادشاہت پیدا ہو جانیکے بعد بھی مسلمانوں کے خیالات کو جمہوریت اور انصاف کی طرف مائل رکھا۔

اسلامی تاریخ کا ایک شاندار منظر

گبن جو ایک مشہور عیسائی مؤرخ ہے اُس نے روم کے حالات کے متعلق ایک تاریخی کتاب لکھی ہے وہ اس کتاب میں ملک شاہ کے متعلق جو الپ ارسلان کا بیٹا تھا بیان کرتا ہے کہ وہ بالکل نوجوان تھا جب اُسکا والد فوت ہوا اُسکے مرنیکے بعد ملک شاہ کے ایک چچا ایک چچیرے بھائی اور ایک سگے بھائی نے بالمقابل بادشاہت کا دعویٰ کر دیا اور خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ نظام الدین طوسی جو ملک شاہ کے وزیر تھے۔ وہ (بوجہ شیعہ ہونیکے) ملک شاہ کو امام موسیٰ رضاؑ کی قبر پر دعا کیلئے لیگئے دعا کے بعد ملک شاہ نے وزیر سے پوچھا۔ آپ نے کیا دعا کی؟ وزیر نے جواب دیا یہ کہ خدا تعالیٰ آپ کو فتح بخشے۔ ملک شاہ نے کہا۔ اور مَیں نے خدا سے یہ دعا کی ہے۔ کہ اے میرے رب! اگر میرا بھائی مسلمانوں پر حکومت کرنے کا مجھ سے

زیادہ اہل ہے تو اے میرے رب! آج میری جان اور میرا تاج مجھ سے واپس لے لے۔

گبن ایک عیسائی مؤرخ اور نہایت ہی متعصب عیسائی مؤرخ ہے مگر اس واقعہ کے ذکر کے سلسلہ میں بے اختیار لکھتا ہے۔ اس ترک (مسلمان) شہزادہ کے اس قول سے زیادہ پاکیزہ اور وسیع نظریہ تاریخ کے صفحات میں تلاش کرنا مشکل ہے۔ مگر یہ رُوح کہاں سے آئی۔ اور کیوں مسلمانوں کے دلوں اور اُن کے دماغوں میں یہ بات مرکوز تھی۔ کہ حکومت کسی کا ذاتی حق نہیں بلکہ ایک امانت ہے جو ملک کے لوگ خود اپنے میں سے قابل ترین شخص کے سپرد کرتے ہیں اور پھر اُسکا فرض ہوتا ہے کہ وہ انصاف سے کام لے اور حقوق کی ادائیگی کا خیال رکھے۔ یہ پاکیزہ خیالات اور یہ اعلیٰ درجہ کا نمونہ مسلمانوں میں اسی وجہ سے دکھائی دیتا ہے کہ قرآن کریم نے مسلمانوں کے دماغوں میں شروع سے ہی یہ بات ڈالدی تھی کہ بادشاہت ایک امانت ہے، اور یہ امانت صرف حقدار کو بطور انتخاب دینی چاہیئے نہ کہ ورثہ کے طور پر لوگ اس پر قابض ہوں۔ یا اہلیت کے سوا اور کسی وجہ سے انہیں اس کام پر مقرر کیا جائے۔ نیز یہ کہ جو شخص اس امانت پر مقرر ہو اُسکا فرض ہے کہ اس امانت کے سب حقوق کو پوری طرح ادا کرے۔ اور جو شخص اس کے تمام حقوق اور فرائض کے ساتھ اُسے ادا نہیں کریگا۔ وہ خدا تعالیٰ کے سامنے ایک مجرم کی طرح کھڑا ہوگا۔ پس مسلمانوں کی آنکھوں کے سامنے ہر وقت یہ آیت رہتی تھی کہ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَهْلِهَا یعنی جو لوگ حکومت کے قابل ہوں۔ جو انتظامی امور کو سنبھالنے کی اہلیت اپنے اندر رکھتے ہوں۔ ان کو یہ امانت سپرد کیا کرو۔ اور پھر جب یہ امانت بعض لوگوں کے سپرد ہو جاتی تھی تو شریعت کا یہ حکم ہر وقت اُن کی آنکھوں کے سامنے رہتا تھا کہ دیانتداری اور عدل کے ساتھ حکومت کرو۔ اگر تم نے عدل کو نظر انداز کر دیا۔ اگر تم نے دیانتداری کو ملحوظ نہ رکھا۔ اگر تم نے اس امانت میں کسی خیانت سے کام لیا۔ تو خدا تم سے حساب لے گا اور وہ تمہیں اس جرم کی سزا دیگا۔

حضرت عمرؓ کا عدیم المثال خدمات کے باوجود وفات کے وقت غیر معمولی کرب

یہی وہ چیز تھی جس کا اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طبیعت پر اسقدر غالب اور نمایاں تھا کہ اُسے دیکھکر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حضرت عمرؓ جو اسلام میں خلیفہ ثانی گذرے ہیں۔ انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کیلئے اسقدر قربانیوں سے کام لیا ہے کہ وہ یورپین مصنّف جو دن رات رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر اعتراضات کرتے رہتے ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اپنی کتابوں میں نہایت ڈھٹائی

کے ساتھ یہ لکھتے ہیں کہ نعوذ باللہ آپ نے دیانت داری سے کام نہیں لیا وہ بھی ابوبکرؓ اور عمرؓ کے ذکر پہ تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ جس محنت اور قربانی سے اِن لوگوں نے کام کیا ہے۔ اس قسم کی محنت اور قربانی کی مثال دنیا کے کسی حکمران میں نظر نہیں آتی خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کام کی تو وہ بے حد تعریف کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ یہ وہ شخص تھا جس نے رات اور دن کے انہماک کے ساتھ اسلام کے قوانین کی اشاعت اور مسلمانوں کی ترقی کے فرض کو سرانجام دیا۔ مگر عمرؓ کا اپنا کیا حال تھا۔ اُس کے سامنے باوجود ہزاروں کام کرنے کے۔ باوجود ہزاروں قربانیاں کرنے کے باوجود ہزاروں تکالیف برداشت کرنے کے یہ آیت رہتی تھی کہ اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا اور یہ کہ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ یعنی جب تمہیں خدا کی طرف سے کسی کام پر مقرر کیا جاوے اور تمہارے ملک کے لوگ اور تمہارے اپنے بھائی حکومت کے لئے تمہارا انتخاب کریں تو تمہارا فرض ہے کہ تم عدل کے ساتھ کام کرو۔ اور اپنی تمام قوتوں کو بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لئے صرف کردو چنانچہ حضرت عمرؓ کا یہ واقعہ کیسا دردناک ہے۔ کہ وفات کے قریب جبکہ آپ کو ظالم سمجھتے ہوئے ایک شخص نے نادانی اور جہالت سے خنجر سے آپ پر وار کیا۔ اور آپ کو اپنی موت کا یقین ہو گیا۔ تو آپ بستر پر نہایت کرب سے تڑپتے تھے اور بار بار کہتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ لَا عَلَيَّ وَلَا لِيْ۔ اَللّٰهُمَّ لَا عَلَيَّ وَلَا لِيْ اے خدا تو نے مجھ کو اس حکومت پر قائم کیا تھا۔ اور ایک امانت تو نے میرے سپرد کی تھی۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں نے اس حکومت کا حق ادا کر دیا ہے یا نہیں اب میری موت کا وقت قریب ہے اور میں دنیا کو چھوڑ کر تیرے پاس آنے والا ہوں۔ اے میرے رب میں تجھ سے اپنے اعمال کے بدلہ میں کسی اچھے اجر کا طالب نہیں کسی انعام کا خواہشمند نہیں بلکہ اے میرے رب میں صرف اس بات کا طالب ہوں کہ تو مجھ پر رحم کر کے مجھے معاف فرما دے۔ اور اگر اس ذمہ داری کی ادائیگی میں مجھ سے کوئی قصور ہو گیا ہو تو اس سے درگذر فرما دے۔ عمرؓ وہ جلیل القدر انسان تھا جس کے عدل اور انصاف کی مثال دنیا کے پردہ پر بہت کم پائی جاتی ہے۔ مگر اس حکم کے ماتحت کہ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ جب وہ مرتا ہے تو ایسی بے چینی اور ایسے اضطراب کی حالت میں مرتا ہے کہ اسے وہ تمام خدمات جو اس نے ملک کی بہتری کے لئے کیں۔ وہ تمام خدمات جو اس نے لوگوں کی بہتری کے لئے کیں۔ وہ تمام خدمات جو اس نے اسلام کی ترقی کے لئے کیں بالکل حقیر نظر آتی ہیں۔ وہ تمام خدمات جو اس کے ملک کے تمام

مسلمانوں کو اچھی نظر آتی تھیں۔ وہ تمام خدمات جو اس کے ملک کی غیر اقوام کو بھی اچھی نظر آتی تھیں۔ وہ تمام خدمات جو صرف اس کے ملک کے اپنوں اور غیروں کو ہی نہیں بلکہ غیر ممالک کے لوگوں کو بھی اچھی نظر آتی تھیں۔ وہ تمام خدمات جو صرف اس کے زمانہ میں ہی لوگوں کو اچھی نظر نہیں آتی تھیں بلکہ آج تیرہ سو سال گذرنے کے بعد بھی وہ لوگ جو اس کے آقا پر حملہ کرنے سے نہیں چوکتے جب عمرؓ کی خدمات کا ذکر آتا ہے تو کہتے ہیں۔ بیشک عمرؓ اپنے کارناموں میں ایک بے مثال شخص تھا۔ وہ تمام خدمات خود عمرؓ کی نگاہ میں بالکل حقیر ہو جاتی ہیں اور وہ تڑپتے ہوئے کہتا ہے اَللّٰھُمَّ لَا عَلَیَّ وَلَا لِیْ اے میرے رب ایک امانت میرے سپرد کی گئی تھی میں نہیں جانتا کہ میں نے اس کے حقوق کو ادا بھی کیا ہے یا نہیں۔ اس لئے میں تجھ سے صرف اتنی ہی درخواست کرتا ہوں کہ تو میرے قصوروں کو معاف فرما دے۔ اور مجھے سزا سے محفوظ رکھ۔

ہر چیز کیلئے اچھے ماحول کی ضرورت

یہ ماحول میں نے اس لئے بیان کیا ہے کہ کوئی چیز اچھے ماحول کے بغیر کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اچھی سے اچھی گٹھلی لو۔ اور اُسے ایسی زمین میں دبا دو جو اُس کے مناسب حال نہ ہو یا گٹھلی کو اگانے کی قابلیت اپنے اندر نہ رکھتی ہو تو وہ کبھی اچھا درخت پیدا نہیں کر سکتی لیکن اگر ماحول اچھا ہو تو معمولی اور ادنیٰ بیج بھی نشو و نما حاصل کر لیتا ہے۔ بس یہ وہ ماحول ہے۔ جو اسلام نے پیش کیا۔ اور ایسے ہی ماحول میں پبلک کے مفید مطلب اقتصادی نظام چل سکتا ہے۔

دنیا میں تین قسم کے اقتصادی نظام

اس ماحول کے بیان کرنے کے بعد اب میں یہ بتاتا ہوں کہ دنیا میں تین قسم کے اقتصادی نظام ہوتے ہیں۔ ایک نظام غیر آئینی ہوتا ہے یعنی ہم اس کا نام اقتصادی نظام محض بات کو سمجھنے کے لئے رکھ دیتے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ بعض قومیں اور حکومتیں دنیا میں ایسی ہیں جنہوں نے کچھ بھی یہ فیصلہ نہیں کیا کہ انہوں نے اپنے اقتصادی نظام کو کسطرح چلانا ہے جسطرح انسان بعض دفعہ رستہ میں چلتے ہوئے کسی چیز کو اٹھا لیتا ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کے سامنے اگر اقتصادی ترقی کے لئے کوئی قومی ذریعہ آ جائے تو وہ اسے اختیار کر لیتے ہیں فردی ذریعہ آ جائے تو اُسے اختیار کر لیتے ہیں۔ کوئی معین اور مقررہ پالیسی ان کے سامنے نہیں ہوتی۔

دوسرا نظام قومی ہوتا ہے۔ یعنی بعض قومیں دنیا میں ایسی ہیں جو صرف قومی اقتصادی نظام کو اختیار

کرتی ہیں اور وہ ملک کے نظام کو ایسے رنگ میں چلاتی ہیں جس سے بحیثیت مجموعی اُن کی قوم کو فائدہ ہو۔

تیسرا نظام انفرادی ہوتا ہے جس میں افراد کو موقعہ دیا جاتا ہے۔ کہ وہ اپنے اپنے طور پر ملک کی اقتصادی حالت کو درست کرنے اور اُسے ترقی دینے کی کوشش کریں۔ مزدوروں کو موقع دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے حقوق کے لئے جدوجہد کریں۔ اور سرمایہ داروں کو موقعہ دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے حقوق کے لئے جدوجہد کریں۔ اسی طرح ملازموں کو حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنے افسروں سے تنخواہوں وغیرہ کے متعلق بحث کر کے فیصلہ کریں۔ اور افسروں کو حق حاصل ہوتا ہے۔ کہ وہ ملازموں کے متعلق قواعد وضع کریں۔ گویا اس نظام میں انفرادیت پر زور دیا جاتا ہے۔

یہی تین قسم کے اقتصادی نظام اِس وقت دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ ایک بے قانون، دوسرا قومی اور تیسرا انفرادی یعنی بعض میں کوئی بھی آئین نہیں۔ بعض میں قومی کاروبار پر بنیاد ہوتی ہے۔ اور بعض میں انفرادی کاروبار پر۔ اسلام غیر آئینی نظام کو تسلیم ہی نہیں کرتا۔ بلکہ وہ ایک آئینی نظام کو قائم کرتا اور اُس کے ماتحت چلنے کی لوگوں کو ہدایت دیتا ہے۔ وہ ہر چیز کو حکمت اور دانائی کے ماتحت اختیار کرنے کا قائل ہے۔ وہ اس بات کا قائل نہیں کہ نظام اور آئین کو نظر انداز کر کے جو راستہ بھی سامنے نظر آئے اس پر چلنا شروع کر دیا جائے غیر آئینی نظام والوں کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے جنگل میں آپ ہی آپ جو بوٹیاں اُگ آتی ہیں۔ انہیں کھانا شروع کر دیا جائے۔ مگر اسلام کی مثال اس شخص کی طرح ہے۔ جو باقاعدہ ایک باغ لگاتا اس کی آب پاشی کرتا اور اس کے پودوں کی نگرانی رکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کونسی چیز مجھے اس باغ میں رکھنی چاہیئے اور کونسی چیز نہیں رکھنی چاہیئے۔

اسلام کی اقتصادی تعلیم کا ماحول

میں نے اوپر جو ماحول اسلام کی تعلیم کا بیان کیا ہے۔ وہ ماحول اسلام کی اقتصادی تعلیم کے لئے بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر اسلام کی اقتصادی تعلیم دنیا میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس ماحول کا اسلام کی اقتصادی تعلیم کے ساتھ ایک گہرا تعلق تھا اس لئے ضروری تھا کہ میں اسے بیان کرتا اور بتاتا کہ کس ماحول میں اسلام نے دنیا کے سامنے ایک مفید اور اعلیٰ درجہ کا اقتصادی نظام رکھا ہے۔ بہرحال جیسا کہ میں نے بتایا ہے اسلام غیر آئینی نظام کو تسلیم نہیں کرتا۔ البتہ دوسرے دو نظاموں کے درمیان ایک راستہ پیش کرتا ہے۔ مگر بنیادی اصول اسلام کے اقتصادیات کا انہی پہلے حقائق پر قائم ہے۔ جن کو اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔

اموال کے متعلق اِسلام کا اِقتصادی نظریہ

اِسلام کا اقتصادی نظریہ اموال کے متعلق یہ ہے۔ فرماتا ہے (الف) هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (بقرہ ۴ع) یعنی جس قدر چیزیں دنیا میں پائی جاتی ہیں وہ سب کی سب خدا تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے فائدہ کے لئے پیدا کی ہیں۔ اگر تمہیں دنیا میں پہاڑ نظر آتے ہیں، اگر تمہیں دنیا میں دریا نظر آتے ہیں، اگر تمہیں دنیا میں کانیں نظر آتی ہیں، اگر تمہیں دنیا میں ترقی کی اور ہزاروں اشیاء نظر آتی ہیں تو تمہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ اسلام کا نظریہ ان اشیاء کے متعلق یہ ہے کہ یہ سب کی سب بنی نوع انسان میں مشترک ہیں۔ اور سب بحیثیت مجموعی ان کے مالک ہیں۔ کانوں سے بہت کچھ فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ دریاؤں سے بہت کچھ فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ پہاڑوں سے بہت کچھ فائدہ اٹھایا جاتا ہے مثلاً بجلیاں پیدا کی جاتی ہیں۔ سونا چاندی اور دوسری قیمتی دھاتیں حاصل کی جاتی ہیں۔ یا دوائیں وغیرہ وہاں پائی جاتی ہیں جن سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے۔ علاج معالجہ کے رنگ میں بھی اور تجارت کے رنگ میں بھی۔ یا اسی قسم کی اور ہزاروں چیزیں ہیں جو صنعت و حرفت میں کام آتی ہیں۔ ان سب کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ خَلَقَ لَکُمْ اے بنی نوع انسان یہ سب کی سب چیزیں تمہارے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ یہ زید کی خاطر نہیں، یہ بکر کی خاطر نہیں، یہ نمرود کی خاطر نہیں، یہ ہٹلر کی خاطر نہیں، یہ سٹالن کی خاطر نہیں۔ یہ چرچل کی خاطر نہیں، یہ روزویلٹ کی خاطر نہیں۔ بلکہ ہر فرد بشر جو دنیا میں پیدا ہوا ہے اس کے لئے خدا نے یہ چیزیں پیدا کی ہیں۔ پس کوئی ہو حاکم ہو محکوم ہو۔ بڑا ہو چھوٹا ہو۔ سیّد ہو چمار ہو کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ چیزیں صرف میرے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے خَلَقَ لَکُمْ۔ اے بنی نوع انسان یہ چیزیں تم سب کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ اور ان میں سے ہر چیز کے تم سب کے سب بحیثیت انسان مالک ہو۔

مال کے متعلق اسلام کا فیصلہ

پھر اموال کے متعلق یہ قاعدہ بیان فرماتا ہے کہ اٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اٰتٰىكُمْ (نور ۴ع) اے لوگو جب تمہارے پاس غلام ہوں یعنی جنگی قیدی تمہارے قبضہ میں آئیں۔ مگر حالت یہ ہو کہ نہ انکی گورنمنٹ انہیں رہا کرانے کا کوئی احساس رکھتی ہو۔ اور نہ اُن کے

رشتہ دار اُن کی آزادی کے لئے کوئی کوشش کرتے ہوں۔ اور دوسری طرف خود انکی مالی حالت ایسی نہ ہو کہ وہ فدیہ دے کر رہا ہو سکیں تو ایسی صورت میں ہم یہ حکم دیتے ہیں کہ اے جنگی قیدیوں کے نگرانو! اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تم کو دیا ہے۔ اُس میں سے اس غلام کی مدد کرو۔ یعنی اسے اپنے پاس سے کچھ سرمایہ دے دو کہ اس ذریعہ سے وہ روپیہ کما کر اپنا فدیہ ادا کر سکے۔ اور آزاد ہو جائے۔ گویا اگر وہ خود رہا ہونے کا اپنے پاس کوئی سامان نہیں رکھتا تو تم اپنے اموال میں سے کچھ مال اسے دیدو۔ کیونکہ مال خدا کا ہے اور خدا کے مال میں سب لوگوں کا حق شامل ہے۔ اس لئے اگر آزادی کے سامان اس کے پاس مفقود ہیں تو تم خود اسے خدا کے اموال میں سے کچھ مال دیدو اسی طرح اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان حاکموں اور بادشاہوں سے بھی کہا ہے۔ کہ اے مسلمان حاکمو اور بادشاہو اللہ تعالےٰ کے اموال میں صرف تمہارا حق ہی نہیں بلکہ تمام بنی نوع انسان کے حقوق شامل ہیں۔ اس لئے اگر جنگی قیدی تمہارے قبضہ میں آتے ہیں اور اس کے بعد اُن کی قوم اُن سے غداری کرتی ہے۔ اُن کے رشتہ دار اُن پر غداری کرتے ہیں۔ اور وہ انہیں چھڑانے کی کوئی کوشش نہیں کرتے۔ یا فرض کرو کوئی جنگی قیدی مالدار ہے۔ اور اس کے رشتہ دار چاہتے ہیں کہ وہ قیدی ہی رہے۔ تاکہ اُس کی جائیداد پر وہ قابض ہو جائیں۔ تو ایسی صورت میں ہم تمہیں یہ ہدایت دیتے ہیں۔ کہ اگر قوم نے اُن سے غداری کی ہے یا اُن کے رشتہ دار اُن سے غداری کر رہے ہیں تو تم اُن سے غداری مت کرو۔ بلکہ خود اپنے مال کا ایک حصّہ اُن کی آزادی کے لئے خرچ کرو۔ کیونکہ جو مال تمہارے قبضہ میں آیا ہے وہ تمہارا مال نہیں بلکہ اللہ تعالےٰ کا ہے۔ اور جسطرح تم اللہ تعالےٰ کے بندے ہو اُسی طرح غلام بھی اللہ تعالےٰ کے بندے ہیں۔ ان حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اوّل اسلام کے نزدیک دنیا کی دولت سب انسانوں کی ہے دوسرے اصل مالک دولت کا اللہ تعالےٰ ہے۔ اس لئے انسان کو اپنے مال کو خرچ کرنے کا کلی اختیار نہیں بلکہ مالک کے حکم کے مطابق اُسے اپنی آزادی کو محدود کرنا ہوگا۔

یہ اصل اموال کی ملکیت کے بارہ میں قرآن کریم کے نزدیک ہمیشہ سے انبیاء علیہم السّلام بتاتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں حضرت شعیب علیہ السّلام کی نسبت آتا ہے کہ جب انہوں نے لوگوں سے کہا۔ کہ دوسرے لوگوں کے حقوق غصب نہ کرو۔ اور ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ اور اموال کمانے یا اس کو خرچ کرنے کے وہ طریق اختیار نہ کرو جن سے فساد ہوتا ہے تو لوگوں نے اُن سے کہا کہ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ

أَنْ نَتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَنْ نَفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ (ہود ع)

یعنی اے شعیب یہ کیا بات ہے کہ روپیہ ہمارا مال ہمارا جائیدادیں ہماری ہم جس کو چاہیں دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں۔ جہاں چاہیں خرچ کریں اور جہاں چاہیں خرچ نہ کریں تم ان معاملات میں دخل دینے والے کون ہو۔ مال تمہارا نہیں کہ تم اس کی تقسیم یا خرچ کے ذمہ وار ہو۔ مال ہمارا ہے ہم اختیار رکھتے ہیں۔ کہ جسطرح چاہیں خرچ کریں۔ کیا نمازیں پڑھ پڑھ کر تمہارا سر چکرا گیا ہے۔ کہ اب ہمارے مالی معاملات میں بھی دخل دینے لگ گئے ہو۔ کہ اِسطرح خرچ کروگے تو ثواب ہوگا۔ اِسطرح خرچ کروگے تو عذاب ہوگا۔ ہمیں نصیحت کرنے اور سمجھانے کا یہ حق تمہیں کہاں سے حاصل ہو گیا ہے۔ پھر وہ طنز کے طور پر کہتے ہیں کہ إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ۔ بڑا غریبوں کا ہمدرد آیا ہے۔ تُو تو بڑا حلیم اور بڑا بھلا مانس معلوم ہوتا ہے۔ یعنی یہ تو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ تم حلیم ہو اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ تم رشید ہو۔ مگر اب تم حلیم اور رشید بن کر ہم پر رعب جمانا چاہتے ہو۔ ہم تمہارے اس دعویٰ کو تسلیم نہیں کرتے۔

ابتدائے آفرینش سے اموال کے متعلق ایک ہی نظریہ

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم نے اموال کے متعلق جو نظریہ پیش کیا ہے وہی پہلے انبیاء کی طرف سے پیش ہوتا چلا آیا ہے۔ وہ بنی نوع انسان کو اموال کے کمانے اور خرچ کرنے میں آزاد نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ وہ سمجھتے تھے کہ اموال سب خدا کے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کے منشاء کے خلاف اُن کو خرچ کرنا جائز نہیں ہو سکتا۔

قومی ترقی کیلئے غرباء کو ابھارنے کی ضرورت

اِن اصول کے بعد مَیں یہ بتاتا ہوں کہ اسلام نے اپنی ابتداء میں ہی غرباء کے ابھارنے اور اُن کی مدد کرنے کا اعلان کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ سورتیں جو بالکل ابتدائی زمانہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں جب ان کا مطالعہ کیا جائے تو صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اِن ابتدائی سورتوں میں سب سے زیادہ غرباء کو ابھارنے، اُنکی مدد کرنے اور اُن کو ترقی کی دوڑ میں آگے لے جانے کا ذکر آتا ہے۔ اور مومنوں کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ اگر قومی ترقی چاہتے ہیں اگر خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تو اس کا طریق یہی ہے کہ غرباء کی مدد کریں۔ اور اُن کی تکالیف کو

دُور کرنے کی کوشش کریں۔ حالانکہ یہ وہ زمانہ تھا جب ابھی دوسرے احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل نہیں ہوئے تھے۔ ابھی قرآن کریم نے نمازوں کی تفصیل بیان نہیں کی تھی۔ ابھی قرآن کریم نے تجارت کے اصول بیان نہیں کئے تھے۔ ابھی قرآن کریم نے قضاء کے احکام لوگوں کے سامنے بیان نہیں کئے تھے۔ ابھی لین دین کے احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل نہیں ہوئے تھے۔ ابھی میاں بیوی کے حقوق یا راعی اور رعایا کے حقوق یا آقا اور ملازمین کے حقوق کی تفصیلات بیان نہیں ہوئی تھیں۔ لیکن اس ابتدائی زمانہ میں قرآن نے غرباء کو ابھارنے اور اُن کی مدد کرنے کی طرف لوگوں کو توجہ دلائی۔ بلکہ اُن کے نہ ابھارنے اور اُن کی مدد نہ کرنے کے نتیجہ میں قوم کی تباہی کی خبر دی۔ اور بتایا کہ وہ قوم اللہ تعالیٰ کے غضب کا نشانہ بن جاتی ہے جو غرباء کے حقوق کو نظر انداز کر دیتی ہے۔

اِسلام کی ابتدائی تعلیم میں غرباء کو اُبھارنے کی تلقین

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلی سورت جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی وہ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ والی سورۃ ہے۔ اِس سے یہ مراد نہیں کہ ساری سورۃ ایک ہی دن میں نازل ہو گئی تھی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ سب سے پہلے اِسی سورۃ کا ابتدائی ٹکڑا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا۔ اور پھر رفتہ رفتہ ساری سورۃ نازل ہو گئی۔ اِس سورۃ کے نزول کے بعد قریب ترین عرصہ میں جو سورتیں نازل ہوئیں۔ اُن میں سے چار سورتیں ایسی ہیں جن کو سر ولیم میور جو یوپی کے لفٹیننٹ گورنر رہ چکے ہیں اور یورپین مصنفین میں خاص عظمت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ سولیلوکی Soliloquy یعنی محادثہ بالنفس کی سورتیں قرار دیتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس میں دعویٰ سے پہلے جو خیالات پیدا ہوا کرتے تھے۔ اِن چار سورتوں میں انہیں خیالات کا ذکر آتا ہے۔ سر ولیم میور کے نزدیک یہ چار سورتیں آخری پارہ کی سورۃ البلد۔ سورۃ الشمس۔ سورۃ اللیل اور سورۃ الضحیٰ ہیں۔ مفسرین کے نزدیک تو یہ سورتیں سورۃ العلق کے بعد نازل ہوئی ہیں۔ اور تاریخی طور پر بھی یہی بات درست ہے۔ لیکن میور کا خیال ہے کہ یہ سورتیں اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ والی سورۃ سے بھی پہلے کی ہیں۔ اُن کی بنا استدلال یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جب کہا اِقْرَأْ یعنی پڑھ۔ تو بہر حال اس سے پہلے کوئی چیز موجود ہونی چاہیئے تھی جس کو پڑھنے کا حکم دیا جاتا۔ اسلامی تاریخ کے لحاظ سے بھی یہ نہایت ابتدائی سورتیں ہیں۔ اور میور کے خیال کے لحاظ سے تو یہ اتنی ابتدائی سورتیں ہیں کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ سے بھی پہلے کی ہیں۔ اِن چار سورتوں کو جب ہم دیکھتے

ہیں تو اُن میں سے تین میں غرباء کی خبرگیری کو نجات اور ترقیٔ قومی کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ لوگوں کو غرباء کی خبرگیری اور اُن کی خدمات پر ابھارا گیا ہے۔ اور امراء کو اپنی اصلاح کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ چنانچہ سورۃ البلد میں آتا ہے۔ يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ. اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعَامٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ (البلد ع ۱) فرماتا ہے۔ ہر مالدار دنیا میں کہتا ہے کہ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا میں بڑا مالدار آدمی ہوں میں نے بڑا روپیہ دنیا میں خرچ کیا ہے۔ ہزاروں نہیں لاکھوں بلکہ کروڑوں روپیہ میں خرچ کر چکا ہوں۔ لُبَدًا کے معنے ڈھیروں ڈھیر کے ہوتے ہیں۔ ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا ڈھیر میں خرچ کرتا چلا گیا۔ اور میں نے روپیہ کی کچھ بھی پروا نہ کی۔ اب بتاؤ مجھ سے زیادہ اور کون شخص اس بات کا مستحق ہے کہ اُسے عزت دی جائے۔ اور اُسے پبلک میں عظمت اور احترام کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ اسکے بعد خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ کیا وہ نادان یہ خیال کرتا ہے کہ مجھے دیکھنے والا دنیا میں کوئی موجود نہیں وہ دعوتیں کرتا ہے اور ایک ایک دن میں سینکڑوں اونٹ ذبح کر دیتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ میں نے ملک پر بڑا احسان کیا۔ فرماتا ہے کیا دنیا اندھی ہے وہ یہ نہیں سمجھتی کہ یہ سو اونٹ جو قربان کیا گیا ہے محض اسلئے ہے کہ اُسے شہرت اور عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ غرباء کی ہمدردی اور ان کی محبت کا جذبہ اس کے دل میں کام نہیں کر رہا۔ اگر واقعہ میں اس کے دل میں غریبوں کی تکالیف کا احساس ہوتا، وہ ان کی غربت اور تکلیف کو دُور کرنے کا جذبہ اپنے اندر رکھتا تو سو سو اونٹ ایک دن میں ذبح کرنے کی بجائے وہ سو دنوں میں ایک ایک اونٹ ذبح کرتا۔ تاکہ غرباء ایک لمبے عرصہ تک بھوک کی تکلیف سے بچے رہتے۔ مگر اس کے مدنظر تو یہ بات تھی ہی نہیں۔ وہ تو یہی چاہتا تھا کہ پبلک میں میری شہرت ہو۔ اور لوگ سمجھیں کہ میں بڑا امیر ہوں پس فرماتا ہے، اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اُسے کوئی دیکھتا نہیں۔ اُس کے اعمال پر کوئی نظر نہیں رکھتا۔ یہ اُس کا خیال بالکل غلط ہے۔ دنیا اتنی اندھی اور بیوقوف نہیں ہے۔ وہ جانتی

ہے۔ کہ اُس نے جو کچھ خرچ کیا بنی نوع انسان کے فائدہ کے لئے خرچ نہیں کیا۔ بلکہ اپنے نفس کے لئے خرچ کیا ہے اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ فرماتا ہے کیا ہم نے اُسے آنکھیں نہیں دی تھیں۔ کیا وہ نہیں دیکھتا تھا کہ ملک کا کیا حال ہے۔ غریب بھوکے مر رہے ہیں اور کوئی اُن کا پُرساں حال نہیں۔ مگر یہ ایک ایک دن میں سَو سَو دو دو سو اونٹ محض اپنی شہرت کے لئے ذبح کر دیتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ میں نے بڑا کام کیا ہے۔ کیا اُس کی آنکھیں نہیں تھیں کہ وہ ملک کا حال دیکھ لیتا۔ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ اور اگر اُسے آنکھوں سے اپنے ملک کا حال نظر نہیں آتا تھا تو کیا اُس کے منہ میں زبان نہیں تھی اور کیا یہ لوگوں سے نہیں پوچھ سکتا تھا۔ کہ روپیہ کا صحیح مصرف کیا ہے اور مجھے کہاں کہاں خرچ کرنا چاہیئے۔ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ پھر کیا ہم نے اُس کی دینی اور دنیوی ترقی کے لئے اس کی فطرت میں مادہ نہیں رکھ دیا تھا۔ کیا ہم نے اس کی فطرت میں یہ مادہ نہیں رکھا کہ یہ خدا تعالیٰ کو پانے اور اُس سے محبت پیدا کرنے کی تدابیر اختیار کرے اور کیا ہم نے اس کی فطرت میں یہ مادہ نہیں رکھا کہ یہ بنی نوع انسان سے حسن سلوک کرے۔ اگر ان تین طریقوں کو اس نے استعمال نہیں کیا اور اپنے روپیہ کو بغیر اصول کے خرچ کر دیا تو اس نے روپیہ کو خرچ نہیں کیا بلکہ اُسے تباہ کیا ہے۔ پھر فرماتا ہے۔ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ باوجود اسکے کہ اس کی آنکھیں موجود تھیں جن سے یہ غرباء کا حال دیکھ سکتا تھا۔ اُس کی زبان اور اس کے ہونٹ سلامت تھے اور یہ لوگوں سے پوچھ سکتا تھا کہ مجھے تو روپیہ کے صحیح مصرف کا علم نہیں تم ہی بتاؤ کہ روپیہ کس طرح خرچ کروں اور باوجود اس کے کہ ہم نے اُس کی فطرت میں نیکی اور حسن سلوک کے مادے رکھ دیئے تھے۔ ہم نے خدا کی محبت اس کی فطرت میں رکھ دی تھی۔ اور ہم نے بنی نوع انسان سے حسن سلوک کرنے کا مادہ بھی اس کی فطرت میں رکھ دیا تھا۔ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ مگر ان تمام باتوں کے باوجود وہ اس گھاٹی پر نہیں چڑھا اور چڑھائی پر چڑھنا اس کے لئے مشکل ہو گیا۔ جیسے موٹا آدمی پہاڑ کی چوٹی پر نہیں چڑھ سکتا اور راستہ میں ہی تھک کر بیٹھ جاتا ہے۔ یہ بھی گھاٹی کو عبور نہ کر سکا اور نام و نمود پر ہی اپنے روپیہ کو برباد کرتا رہا۔

اس قسم کے بیہودہ اور لغو کاموں پر روپیہ برباد کرنے کی اور بھی کئی مثالیں ہیں۔ مثلاً بعض عیاش اُمراء کنچنیوں کے نام پر ہزاروں روپیہ برباد کر دیتے ہیں۔ بعض کو روپیہ صرف کرنے کا اور کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا۔ تو وہ مشاعرہ کی مجلس منعقد کر کے روپیہ ضائع کر دیتے ہیں۔ اُن کے پڑوس میں ایک بیوہ عورت ساری رات اپنے

بھوکے بچوں کو سینہ سے چمٹائے پڑی رہتی ہے۔ وہ بھوک سے بلبلاتے اور چیخنے چلاتے ہیں مگر اُسے اُن یتیم بچوں کو کچھ کھلانے کی توفیق نہیں ملتی۔ اور ہزار ہزار روپیہ مشاعرہ پر برباد کر دیتا ہے۔ محض اس لئے کہ لوگوں میں شہرت ہو۔ کہ فلاں رئیس نے یہ مشاعرہ کرایا ہے۔ فرماتا ہے۔ یہ روپیہ کا خرچ کرنا نہیں بلکہ اُسے ضائع اور برباد کرنا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ تمہیں کچھ معلوم ہے کہ چوٹی پر چڑھنے کا کیا مطلب ہے یعنی ہم نے جو یہ کہا ہے کہ وہ چوٹی پر نہیں چڑھا۔ تو تم نہیں سمجھ سکے ہوگے کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ آؤ ہم تمہیں بتاتے ہیں کہ ہمارا کیا مطلب ہے۔ فَكُّ رَقَبَةٍ ہمارا مطلب یہ ہے کہ وہ غلام جو بنی نوع انسان کے قبضہ میں ہیں جو اپنے باپوں اور اپنی ماؤں اور اپنے بھائیوں اور اپنی بہنوں سے جدا ہیں۔ کیا اس کے دل میں یہ کبھی خیال نہیں آیا۔ کہ وہ ان کو آزاد کرے اور انہیں بھی آزادانہ زندگی کی فضا میں سانس لینے دے۔ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ یا بجائے اس کے کہ یہ سَو سَو دُو دُو سو اونٹ ایک ایک دن میں ذبح کرتا اور اُمراء کو بلا کر اُن کی ایک شاندار دعوت کر دیتا۔ کیوں اُس نے ایسا نہ کیا کہ وہ غرباء اور مساکین کو کھانا کھلاتا۔ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ قحط کے دنوں میں جبکہ غرباء کو غلّہ کی شدید تکلیف ہوتی ہے اور اُن میں سے اکثر فاقہ کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ یا سردی کے دنوں میں جبکہ غلّہ میں کمی آجاتی ہے اُس کا فرض تھا کہ وہ غرباء کی خبرگیری کرتا بھوکوں کو کھانا کھلاتا۔ ننگوں کو کپڑے دیتا اور اس طرح اپنے مال کو جائز طور پر صحیح مقام پر خرچ کرتا۔ مگر اُس نے ایسا تو نہ کیا اور ایک ایک دن میں سَو سَو دُو دُو سو اونٹ ذبح کر کے بڑے بڑے امراء کو کھانا کھلا دیا۔ محض اس لئے کہ اُس کی شہرت ہو اور لوگوں میں یہ بات مشہور ہو کہ وہ بڑا مالدار ہے يَتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ یا یتیموں ہی کو کھانا کھلا دیتا۔ بجائے اس کے کہ دعوتوں پر یہ روپیہ برباد کرتا یا جوئے بازی اور مختلف کھیل تماشوں پر اپنی دولت کو ضائع کرتا۔ اگر اس کے دل میں غرباء کا سچا درد ہوتا۔ اگر اس کے دل میں یتامیٰ کی خبرگیری کا صحیح احساس ہوتا تو اُسے چاہیئے تھا کہ اپنے روپیہ کو بجائے ضائع کرنے کے يَتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ قرابت والے یتیم کو کھانا کھلاتا۔ اسکا یہ مطلب نہیں کہ اپنی قربت والے یتیم کو وہ کھانا کھلاتا۔ کیونکہ اپنی قرابت دار یتیم کو تو بہت سے بخیل بھی کھانا کھلا دیا کرتے ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ یتیم دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ یتیم ہوتا ہے جسکا کوئی رشتہ دار موجود نہیں ہوتا۔ اُسے دیکھکر بعض دفعہ سنگدل سے سنگدل انسان کے دل میں بھی رحم کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور وہ اسے کھانا کھلا دیتا ہے مگر ایک یتیم ایسا ہوتا ہے

جس کے بھائی موجود ہوتے ہیں جس کی بہنیں موجود ہوتی ہیں جس کے چچا اور دوسرے رشتہ دار موجود ہوتے ہیں۔ لوگ ایسے یتیموں کی طرف کم توجہ کرتے ہیں۔ اس لئے فرماتا ہے۔ اگر کوئی ایسا یتیم ہو جس کے اپنے رشتہ دار موجود ہوں تب بھی اس کے دل میں اتنا درد ہونا چاہیئے تھا۔ کہ وہ اس یتیم کو دیکھ کر سمجھتا کہ یہ یتیم میرا ہے اُن کا نہیں۔ باوجود اسکے کہ اس کے اپنے رشتہ دار موجود ہوتے اس کے دل میں یتیم کی اتنی محبت ہوتی کہ وہ سمجھتا کہ میں ہی اس کا نگران اور پرسانِ حال ہوں۔ وہ اس کے نگران نہیں ہیں۔ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ یا اُس نے کیوں ایسے مسکین کو کھانا نہ کھلایا جو ذا متربہ تھا یعنی اپنی کمزوری اور ضعف کی وجہ سے پروٹسٹ اور احتجاج بھی نہیں کر سکتا تھا کسی کے گھر پر دستک بھی نہیں دے سکتا تھا۔ بلکہ ایسا تھا جیسے مٹی پر گری پڑی کوئی چیز ہو۔ دنیا میں بعض ایسے مساکین ہوتے ہیں جو لوگوں کے دروازوں پر پہنچ کر اپنی غربت اور مسکنت کا حال بیان کرتے اور اُن سے امداد کے طالب ہوتے ہیں۔ بعض ایسے ہوتے ہیں۔ جو دروازوں پر پہنچ کر خوب شور مچاتے اور آخر گھر والوں سے کچھ نہ کچھ لے کر اگلے دروازہ پر جاتے ہیں۔ اور بعض ایسے مسکین ہوتے ہیں جن کو اگر کچھ دیا نہ جائے۔ تو وہ دروازے سے ہلتے ہی نہیں۔ ایسے مساکین کو خرگدا کہا جاتا ہے۔ پھر کئی ایسے مسکین بھی ہوتے ہیں۔ جو باقاعدہ پروٹسٹ کرتے ہیں مظاہرے کرتے ہیں۔ اور وفد بنا بنا کر حکومت کے پاس پہنچتے ہیں۔ یا امراء کے پاس جاتے ہیں اور اُن سے امداد کے طالب ہوتے ہیں۔ ایسے مساکین کو تو لوگ پھر بھی کچھ دے ہی دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ہم تو تم سے اسقدر ہمدردی اور محبت کی امید رکھتے تھے۔ کہ وہ مسکین جو مٹی پر گرا پڑا ہے۔ جو جنگل میں اکیلا بیکس اور بے بس پڑا ہے جس میں مظاہرہ کرنے کی بھی ہمت نہیں جس میں کسی کے دروازے تک پہنچنے کی بھی طاقت نہیں۔ نہ وہ ٹریڈ یونین کا ممبر ہے۔ نہ کسی اور ایسی مجلس کا جو اپنے حقوق کیلئے شور مچاتی ہے۔ وہ بیمار کمزور اور نحیف الگ ایک گوشۂ تنہائی میں پڑا ہوا ہے۔ اُس کا دنیا میں کوئی سہارا نہیں۔ معاش کا اس کے پاس کوئی ذریعہ نہیں۔ وہ بے بس اور بیکس نہایت کس مپرسی کی حالت میں پڑا ہوا ہے۔ اور وہ اپنے اندر اتنی طاقت بھی نہیں رکھتا کہ کسی کے دروازہ پر چل کر جا سکے۔ تمہارا فرض تھا کہ تم اس سہارے کے محتاج کے پاس جاتے اور اس خاک مذلت پر پڑے ہوئے مسکین کی خبرگیری کرتے۔ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا پھر یہ شخص اپنی ہمدردی اور اپنی محبت اور اپنے حسنِ سلوک میں اسقدر ترقی کرتا۔ کہ جب وہ یہ سب کچھ کر چکتا۔ تو ہم اس سے یہ اُمید رکھتے۔ کہ وہ

یہ نہ کہتا کہ میں نے فلاں غریب کی پرورش کی میں نے فلاں مسکین کی خبر گیری کی۔ بلکہ وہ خدا کے حضور نہایت عجز اور انکسار کے ساتھ یہ عرض کرتا۔ کہ اے میرے رب میں نے تیرے حکم کو پورا کرنے کی کسقدر کوشش کی ہے۔ مگر میں نہیں کہہ سکتا کہ میں نے اس حکم کو صحیح طور پر ادا بھی کیا ہے یا نہیں۔ گویا بجائے احسان جتانے کے تم مومن بنتے اور سمجھتے کہ ہم نے جو کچھ کیا ہے کسی پر احسان نہیں کیا۔ اپنے مہربان آقا کے ایک حکم کو پورا کیا ہے۔ اور وہ بھی معلوم نہیں کہ ہم نے اس کے عائد کردہ فرض کو صحیح طور پر ادا بھی کیا ہے یا نہیں۔ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ پھر اس سے بھی ترقی کر کے تم ملک کی مصیبتوں کے اپنے آپ کو ذمہ دار بناتے۔ یہی نہیں کہ خود تو عیش و آرام کی زندگی بسر کرتے اور غرباء تکالیف میں دن گذار دیتے۔ جیسے آجکل کنٹرول کی وجہ سے امراء تو چیزیں لے جاتے ہیں۔ مگر غرباء رہ جاتے ہیں۔ اور پھر یہی نہیں کہ تم قربانی کر کے غرباء کی مدد کرتے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر ہم تم سے یہ امید کرتے تھے۔ کہ تم اپنے دوستوں اور ساتھیوں کو بھی اس راہ پر چلانے کی کوشش کرتے اور تمام کے تمام افراد ملک ملکر ملک کی بہتری کی کوشش کرتے اور ایک دوسرے کو سہارا دیتے۔ پھر فرماتا ہے کہ اس سے بھی زیادہ ہم یہ چاہتے تھے کہ تَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ یعنی سب نیکیاں کر کے پھر بھی سمجھتے کہ ہم نے کچھ نہیں کیا۔ اور ایک دوسرے کو نصیحت کرتے رہتے۔ کہ اور زیادہ غریبوں اور کمزوروں پر رحم کرو اور ان سے محبت کرو اور یہ نصیحت مرتے دم تک جاری رہتی۔

یہ اسلام کے بالکل ابتدائی زمانہ کی تعلیم ہے جب قرآن کریم کے نزول کا ابھی آغاز ہی ہوا تھا۔ جب تفصیلی احکام اللہ تعالےٰ کی طرف سے ابھی نازل نہیں ہوئے تھے۔ اور جب مکہ والے بھی ابھی اسلام سے پورے طور پر واقف نہیں ہوئے تھے۔ سر میور کے نزدیک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ وہ ابتدائی خیالات ہیں جن سے متاثر ہو کر آپ نے نعوذ باللہ نبوت کا دعویٰ کیا۔ اور ہمارے نزدیک یہ وہ ابتدائی الہامات ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے اِقْرَءْ کا حکم ہوا تھا کہ جاؤ اور لوگوں کو ان کا قائل بناؤ۔ بہرحال اسلام کی بنیاد کے وقت کی یہ تعلیم صاف طور پر بتا رہی ہے کہ اسلام نے شروع میں ہی کہہ دیا تھا۔ کہ جہاں اسلام فرد کی آزادی اور اس کی شخصی ترقی کے لئے جد و جہد کو جائز رکھتا ہے۔ وہاں وہ اس امر کی بھی اجازت نہیں دے سکتا کہ کچھ لوگ تو عیش و آرام کی زندگی بسر کریں اور کچھ لوگ تکلیف اور دکھ کی زندگی بسر کریں۔

اِسلام کا عدمِ مساوات کو روکنا

غلامی یہ امر یاد رکھنا چاہیئے کہ غیر طبعی اور غیر مساوی سلوک جو دنیا میں شروع زمانہ سے چلا آتا تھا اور جسے اسلام نے قطعاً روک دیا۔ اُس کی بڑی وجہ غلامی تھی۔ آجکل کے لوگ اس بات کو سمجھ ہی نہیں سکتے کہ دنیا کی اقتصادیات کا غلامی کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ مگر درحقیقت غلامی اور اقتصادیات کا آپس میں بڑا تعلق ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسلام نے غلامی کو بالکل روک دیا۔ اسلام سے پہلے بلکہ ظہور اسلام کے بعد بھی دنیا کے ایک بڑے حصے میں غلامی کا طریق رائج رہا ہے۔ چنانچہ آپ رومن۔ یونانی۔ مصری اور ایرانی تاریخ کو پڑھ کر دیکھ لیں آپ کو ان میں سے ہر ملک کی ترقی کی بنیاد غلامی پر رکھی ہوئی نظر آئیگی۔ یہ غلام دو طرح بنائے جاتے تھے۔ ایک طریق تو یہ تھا کہ ہمسایہ قومیں جن سے جنگ ہوتی تھی۔ اُن کے افراد کو جہاں اکّا دُکّا نظر آئے پکڑ کرلے جاتے۔ اور انہیں غلام بنالیتے۔ چنانچہ رومی لوگ ایرانیوں کو پکڑ کر لے جاتے اور ایرانیوں کو موقعہ ملتا تو وہ رومیوں کو پکڑ کر لے جاتے۔ اور سمجھتے کہ اس طرح ہم نے دوسرے ملک کو سیاسی لحاظ سے نقصان پہنچایا ہے۔ دوسرا طریق یہ تھا۔ کہ لوگ غیر مہذب ہمسایہ اقوام کی عورتیں ان کے بچے پکڑ کرلے جاتے اور انہیں اپنی غلامی میں رکھتے۔ اوّل الذکر جب موقعہ ملے اور ثانی الذکر طریق بطور دستور اُن میں جاری تھا۔ بلکہ یہ طریق اٹھارویں صدی تک دنیا میں رائج رہا ہے، چنانچہ مغربی افریقہ سے لاکھوں غلام یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ میں لے جائے گئے۔ جو اب تک وہاں موجود ہیں۔ اور گو اب وہ آزاد ہو چکے ہیں۔ مگر دس کروڑ باشندے اب بھی امریکہ میں ایسے موجود ہیں۔ جو مغربی افریقہ سے بطور غلام وہاں پہنچائے گئے تھے۔ متمدن اقوام کی غرض اس سے یہ ہوتی تھی۔ کہ وہ اپنے ملک کی دولت کو بڑھائیں۔ چنانچہ ان غلاموں سے کئی قسم کے کام لئے جاتے تھے۔ کہیں اُن کو کارخانوں میں لگا دیا جاتا تھا۔ کہیں جہازوں کا کام اُن کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔ اس طرح محنت و مشقت کے سب کام جو قومی ترقی کے لئے ضروری ہوتے تھے وہ اُن غلاموں سے لئے جاتے تھے۔ مثلاً صنعتی چیزیں پیدا کرنا اور زیادہ نفع کمانا مقصود ہوتا تو ان غلاموں کو زمینوں کی آبپاشی اور فصلوں کی کاشت اور نگرانی پر مقرر کر دیا جاتا۔

اسلام میں جنگی قیدیوں کے علاوہ غلام بنانے کی ممانعت

غرض اس طریق سے ایک طرف تو بنی نوع انسان کے ایک حصہ کو مساوات سے محروم کیا جاتا تھا اور دوسری طرف اپنے ملک کی دولت کو بڑھایا جاتا تھا۔ قرآن کریم نے اِن دونوں طریقوں کو قطعاً روک دیا ہے چنانچہ فرماتا ہے۔ مَاكَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (انفال ع۹) فرماتا ہے۔ ہم نے کسی نبی کے لئے نہ پہلے یہ جائز رکھا ہے۔ اور نہ تمہارے لئے جائز ہے کہ بغیر اس کے کہ کسی حکومت سے باقاعدہ لڑائی ہو۔ اُن کے افراد کو غلام بنا لیا جائے۔ اگر کسی حکومت سے جنگ ہو اور جنگ بھی سیاسی نہیں بلکہ مذہبی۔ تو عین میدان جنگ میں قیدی پکڑے جا سکتے ہیں۔ اور اس کی ہماری طرف سے اجازت ہے۔ لیکن تمہیں یہ حق نہیں کہ بغیر کسی مذہبی جنگ کے دوسری قوم کے افراد کو قیدی بناؤ۔ یا میدان جنگ میں تو نہ پکڑو۔ لیکن بعد میں اُن کو گرفتار کر کے قیدی بنا لو۔ قیدی بنانا صرف اس صورت میں جائز ہے۔ جب کسی قوم سے باقاعدہ جنگ ہو اور عین میدانِ جنگ میں دشمن قوم کے افراد کو بطور جنگی قیدی گرفتار کر لیا جائے۔ گویا وہ قوم جس کے خلاف اعلان جنگ نہیں ہوا۔ اس کے افراد کو پکڑنا جائز نہیں ہے۔ اِسی طرح وہ قوم جس سے جنگ ہو اُس کے افراد کو بھی میدان جنگ کے علاوہ کسی جگہ سے بعد میں پکڑنا جائز نہیں ہے۔ صرف لڑائی کے دوران میں لڑنے والے سپاہیوں کو یا اُن کو جو لڑنے والے سپاہیوں کی مدد کر رہے ہوں پکڑ لیا جائے تو یہ جائز ہوگا۔ کیونکہ اگر اُن کو چھوڑ دیا جائے۔ تو وہ بعد میں دوسرے لشکر میں شامل ہو کر مسلمانوں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں پھر فرماتا ہے تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا اے مسلمانو! کیا تم دوسرے لوگوں کی طرح یہ چاہتے ہو کہ تم غیر اقوام کے افراد کو پکڑ کر اپنی طاقت اور قوت کو بڑھا لو وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ تم دنیا کے پیچھے چلو۔ بلکہ وہ چاہتا ہے۔ کہ تمہیں ان احکام پر چلائے جو انجام کے لحاظ سے تمہارے لئے بہتر ہوں اور اگلے جہان میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی کا مستحق بنانے والے ہوں اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور انجام کے خوشگوار ہونے کے لحاظ سے یہی حکم تمہارے لئے بہتر ہے۔ کہ تم سوائے جنگی قیدیوں کو جنہیں دوران جنگ میں گرفتار کیا گیا ہو اور کسی کو قیدی مت بناؤ کہ جنگی قیدیوں کے سوا اسلام میں کسی قسم کے قیدی بنانے جائز نہیں۔ اس حکم پر شروع اسلام میں اس

سختی کے ساتھ عمل کیا جاتا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک دفعہ یمن کے لوگوں کا ایک وفد آپ کے پاس آیا اور اس نے شکایت کی کہ اسلام سے پہلے ہم کو مسیحیوں نے بلا کسی جنگ کے یونہی زور سے غلام بنا لیا تھا۔ ورنہ ہم آزاد قبیلہ تھے۔ ہمیں اس غلامی سے آزاد کرایا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ گو یہ اسلام سے پہلے کا واقعہ ہے۔ مگر پھر بھی میں اس کی تحقیقات کرونگا۔ اگر تمہاری بات درست ثابت ہوئی۔ تو تمہیں فوراً آزاد کرا دیا جائیگا۔ لیکن اس کے برخلاف جیسا کہ بتایا جا چکا ہے یورپ اپنی تجارتوں اور زراعتوں کے فروغ کے لئے انیسویں صدی کے شروع تک غلامی کو جاری رکھتا چلا گیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام کی تاریخ سے ایک غیر اسلامی غلامی کا بھی پتہ لگتا ہے۔ مگر پھر بھی غلاموں کے ذریعہ سے ملکی طور پر تجارتی یا صنعتی ترقی کرنے کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔

اسلامی تعلیم کے مطابق جنگی قیدیوں کی رہائی

اب رہے جنگی قیدی۔ سو ان کے بارے میں اسلام یہ حکم دیتا ہے کہ اِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَاءً (محمد) یعنی جب لڑائی میں تمہارے پاس قیدی آئیں۔ تو تمہارے دلوں میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ اب ہمیں ان کے متعلق کیا کرنا چاہیئے سو یاد رکھو ہمارا حکم یہ ہے کہ اِمَّا مَنًّا بَعْدُ یا تو احسان کر کے انہیں بلا کسی تاوان کے آزاد کر دو۔ وَ اِمَّا فِدَاءً یا پھر تاوان لے کر انہیں رہا کر دو۔ ان دو صورتوں کے سوا کوئی اور صورت تمہارے لئے جائز نہیں۔ بہرحال تمہارا فرض ہے کہ تم ان دو میں سے کوئی ایک صورت اختیار کرو۔ یا تو یونہی احسان کر کے ان کو رہا کر دو اور سمجھ لو کہ تمہارے اس فعل کے بدلہ میں خدا تعالےٰ تم سے خوش ہوگا۔ اور اگر تم اقتصادی مشکلات کی وجہ سے احسان نہیں کر سکتے۔ تو وہ تاوان جو عام طور پر حکومتیں وصول کیا کرتی ہیں۔ وہ تاوان لے کر قیدیوں کو رہا کر دو۔ لیکن چونکہ ایسا بھی ہو سکتا تھا۔ کہ ایک شخص فدیہ دینے کی طاقت اپنے اندر نہ رکھتا ہو۔ اور حکومت یا اس کے رشتہ دار بھی اس کو چھڑانے کے لئے کوئی کوشش نہ کریں۔ اور اس کے ساتھ ہی قیدی کے نگران کی بھی یہ حالت ہو۔ کہ وہ بغیر فدیہ کے اُسے آزاد کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ اس لئے اسلام نے اس کا یہ علاج بتایا کہ وہ غلام تاوان جنگ کی قسطیں مقرر کر کے آزاد ہو جائے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَالَّذِیْنَ یَبْتَغُوْنَ الْکِتٰبَ مِمَّا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ فَکَاتِبُوْھُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِیْھِمْ خَیْرًا وَّاٰتُوْھُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰہِ الَّذِیْٓ اٰتٰکُمْ (نور ع ۴)

یعنی اگر کوئی ایسا قیدی ہو۔ جسے تم احسان کر کے نہ چھوڑ سکو اور اس کے رشتہ دار بھی اس کا فدیہ نہ دے سکیں۔ تو اس صورت میں ہماری یہ ہدایت ہے کہ اگر وہ آزاد ہونا چاہے۔ تو وہ نگران سے کہہ دے کہ میں خود روپیہ کما کر قسط وار فدیہ ادا کرتا چلا جاؤنگا۔ آپ مجھے آزاد کردیں۔ اگر وہ قسط وار فدیہ ادا کرنے کا اقرار کرے تو اسلامی تعلیم کے ماتحت وہ اُسی وقت آزاد ہو جائیگا۔ پھر فرمایا۔ ہم تمہیں اس کے ساتھ یہ بھی نصیحت کرتے ہیں کہ اگر تمہیں توفیق ہو۔ اور اللہ تعالےٰ نے تمہیں مال دیا ہوا ہو۔ تو چونکہ مال خدا کا ہے اور غلام بھی خدا کے بندوں میں سے ایک بندہ ہے۔ اسلئے تم اپنے مال میں سے ایک حصّہ اُسے بطور سرمایہ دیدو تاکہ وہ اُس پر اپنے کاروبار کی بنیاد رکھ کر آسانی سے قسطیں ادا کر سکے۔ اب بتاؤ کیا کوئی بھی صورت ایسی رہ جاتی ہے۔ جس میں کسی کو غلام بنایا جا سکتا ہو۔ اتنے وسیع احکام اور اتنی غیر معمولی رعائتوں کے بعد بھی اگر کوئی شخص غلامی سے آزاد ہونا پسند نہیں کرتا۔ اور اپنی مرضی سے کسی مسلمان کے پاس رہتا ہے۔ تو سوائے اس کے کیا کہا جا سکتا ہے۔ کہ وہ خود اپنے گھر کے ظلموں سے بیزار ہے اور وہ جانتا ہے کہ اگر میں آزاد ہو کر اپنے گھر گیا۔ تو مجھے زیادہ تکلیف اٹھانی پڑے گی۔ اس لئے میرے لئے یہی بہتر ہے کہ اس زندگی کو ترجیح دوں۔ ورنہ غور کر کے دیکھ لیا جائے۔ کوئی ایک صورت بھی ایسی نہیں رہ جاتی جس میں کسی کو غلام بنایا جا سکتا ہو۔ پہلے تو یہ حکم دیا کہ تم احسان کر کے بغیر کسی تاوان کے ہی اُن کو رہا کردو۔ پھر یہ کہا کہ اگر ایسا نہیں کر سکتے۔ تو تاوان وصول کر کے آزاد کردو۔ اور اگر کوئی شخص ایسا رہ جائے۔ جو خود تاوان ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ حکومت بھی اُس کے معاملہ میں کوئی دلچسپی نہ لیتی ہو۔ اور اس کے رشتہ دار بھی لاپرواہ ہوں۔ تو وہ تمکو نوٹس دے کر اپنے تاوان کی قسطیں مقرر کروا سکتا ہے۔ ایسی صورت میں جہاں تک اسکی کمائی کا تعلق ہے۔ قسط چھوڑ کر سب اُسی کی ہوگی اور وہ عملاً پورے طور پر آزاد ہوگا۔

حضرت عمرؓ کی شہادت ایک غلام کے ہاتھ سے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک ایسے غلام نے ہی مارا تھا جس نے مکاتبت کی ہوئی تھی۔ وہ غلام جس مسلمان کے پاس رہتا تھا۔ اُن سے ایک دن اس نے کہا کہ میری اتنی حیثیت ہے۔ آپ مجھ پر تاوان ڈال دیں۔ مَیں ماہوار اقساط کے ذریعہ آہستہ آہستہ تمام تاوان ادا کردونگا۔ انہوں نے ایک معمولی سی قسط مقرر کردی۔ اور وہ ادا کرتا رہا۔ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اس نے شکایت کی کہ میرے مالک نے مجھ پر بھاری قسط مقرر کر

رکھی ہے۔ آپ اُسے کم کرا دیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُس کی آمدن کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ جتنی آمد کے اندازہ پر قسط مقرر ہوئی تھی اُس سے کئی گُنا زیادہ آمد وہ پیدا کرتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ اس قدر آمد کے مقابلہ میں تمہاری قسط بہت معمولی ہے۔ اِسے کم نہیں کیا جا سکتا۔ اس فیصلہ سے اُسے سخت غصہ آیا۔ اور اُس نے سمجھا کہ میں چونکہ ایرانی ہوں۔ اس لئے میرے خلاف فیصلہ کیا گیا ہے۔ اور میرے مالک کا عرب ہونے کی وجہ سے لحاظ کیا گیا ہے چنانچہ اس غصہ میں اس نے دوسرے ہی دن خنجر سے آپ پر حملہ کر دیا اور آپ انہی زخموں کے نتیجہ میں شہید ہو گئے۔

غرض اسلام نے یہ حق مقرر کیا ہوا تھا۔ کہ اگر کوئی غلام آزاد ہونا چاہے۔ تو وہ قسط وار تاوان کو ادا کرنا شروع کر دے۔ اور اگر سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ کوئی کام شروع کرنے کے قابل نہ ہو۔ تو اس صورت میں اٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ کا حکم تھا یعنی مالک خود مدد کرے یا حکومتِ مسلمہ مدد کر کے اُسے آزادی کا معاہدہ کروا دے۔

جنگی قیدیوں سے حُسنِ سلوک کی تعلیم

کام کے بارہ میں یہ ہدایت دی کہ جب تک وہ گھر میں رہے۔ اس سے وہی کام لو جو وہ کر سکتا ہو۔ اگر کوئی مشکل کام ہو۔ تو اس کے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ اُسے گالی نہ دو۔ اگر وہ مزدوری کرتا ہے۔ تو اس کی مزدوری اُسے پسینہ کے خشک ہونے سے پہلے دو۔ اگر کام کرنے والا آزاد ہے اور مالک اُسے مار بیٹھتا ہے تو وہ حق رکھتا ہے۔ کہ عدالت میں جائے اور قصاص کا مطالبہ کر کے اسلامی قضا سے اُسے سزا دلوائے۔ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ تو میرا نوکر تھا اور مجھے اس کو پیٹنے کا حق تھا۔ اسلام اس قسم کے حق کو تسلیم نہیں کرتا۔ وہ نوکر کو اجازت دیتا ہے کہ اگر اُسے پیٹا جائے تو قضا میں اپنے مالک کے خلاف دعویٰ دائر کرے اور اُسے سزا دلوائے اور اگر وہ آزاد نہیں بلکہ غلام ہے۔ تو اگر وہ اُسے ایک تھپڑ بھی مار بیٹھے۔ تو اسلامی حکومت کو حکم ہے کہ وہ اُسے فوراً آزاد کرا دے۔ اور نگران سے کہے کہ تم اس قابل نہیں ہو کہ کسی قیدی کو اپنے پاس رکھ سکو۔ پھر حکم دیا کہ جو کچھ خود کھاؤ وہی اپنے غلاموں کو کھلاؤ۔ جو خود پہنو وہی اُن کو پہناؤ۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے زمانہ میں کئی غلام اپنے گھروں کو واپس جانا پسند ہی نہیں کرتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اگر ہم گھر گئے۔ تو ہمیں دال بھی نصیب نہیں ہو گی۔ مگر یہاں تو ہمیں روزانہ اچھا کھانے کو ملتا ہے۔ اور پھر مالک

کی یہ حالت ہے کہ وہ پہلے ہمیں کھلاتا ہے اور بعد میں آپ کھاتا ہے۔ ایسے مزے ہمیں اپنے گھروں میں کہاں میسر آ سکتے ہیں۔ چنانچہ جب مسلمان بادشاہ بنے اور حکومت اُن کے ہاتھ میں آئی تو وہ غلاموں کو اپنے گھروں سے نکالتے بھی تھے تو وہ نہیں نکلتے تھے۔ وہ کہتے تھے فدیہ دو اور آزاد ہو جاؤ۔ مگر وہ فدیہ نہ دیتے۔ وہ کہتے تھے۔ اگر فدیہ نہیں دے سکتے تو ہم سے قسطیں مقرر کر لو۔ اور آزاد ہو جاؤ۔ مگر وہ قسطیں بھی مقرر نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے۔ کہ اگر ہم آزاد ہو کر واپس چلے گئے۔ تو پھر وہ مزے ہمیں حاصل نہیں ہونگے جو اب حاصل ہیں۔ ایسی صورت میں اگر کچھ لوگ غلام بھی رہے ہوں تو دنیا کو ایسی غلامی پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔

غلامی اور اقتصادیات

یہ غلامی کا مضمون نہیں لیکن دنیا کی لمبی تاریخ میں غلامی اور ملکوں کے اقتصادی نظام آپس میں ملے چلے آتے ہیں۔ روس میں سائبیریا کی آبادی غلاموں یا سیاسی قیدیوں ہی کی رہینِ منت تھی۔ اِسی طرح امریکہ کی آبادی غلاموں یا سیاسی قیدیوں ہی کی رہینِ منت تھی وہ اپنے علاقوں کو کبھی خود آباد نہیں کر سکتے تھے۔ لاکھوں لاکھ غلام وہ مغربی افریقہ سے لائے۔ اور وہ امریکہ کے بے آباد علاقوں کو آباد کر گئے۔ آج امریکہ اپنی دولت پر نازاں ہے۔ اپنی تجارت اور اپنی صنعت پر نازاں ہے، مگر امریکہ کی یہ دولت اور امریکہ کی آبادی رہینِ منت ہے اُن حبشی غلاموں کی جن کو وہ مغربی افریقہ سے پکڑ کر لائے۔ اِسی طرح یونان اور روما کی تاریخ بتاتی ہے کہ اُن کی آبادی بھی غلاموں کی خدمات کی رہینِ منت ہے مصر کی تاریخ بھی بتاتی ہے کہ اس کی آبادی غلاموں کی خدمات کی وجہ سے ہوئی۔ فرانس اور سپین کی تاریخ بھی بتاتی ہے کہ اُن کی ترقی اُن خدمات کی رہینِ منت تھی جو آج سے دو تین سو سال پہلے اُن ممالک میں غلاموں نے سرانجام دیں۔ اور جنہوں نے اُن کی اقتصادی حالت کو ترقی دے کر کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ پس غلامی اور اقتصادی مسائل چونکہ باہم لازم و ملزوم ہیں۔ اِس لئے میں نے بتایا ہے۔ کہ اسلام کا نظام کیسا کامل ہے کہ اُس نے شروع سے ہی غلامی پر تبر رکھ دیا۔ اور کہہ دیا۔ کہ اس کے ذریعہ جو ترقی ہوگی وہ کبھی شریفانہ اور باعزت ترقی نہیں کہلا سکتی۔

عام اقتصادی نظام

اقتصادی نظام کے متعلق دو قسم کے نظریے

اب میں عام اقتصادی نظام کو لیتا ہوں۔ لیکن اس مضمون کو بیان کرنے سے پہلے میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں۔ کہ وہ مذاہب جو حیات مابعد الموت کے قائل ہیں۔ اقتصادی نظام کے بارہ میں انفرادی آزادی کے قیام کے پابند ہیں۔ درحقیقت دنیا میں دو قسم کی قومیں پائی جاتی ہیں۔ ایک وہ ہیں جو مذہبی ہیں اور دوسری وہ ہیں۔ جو لامذہب ہیں۔ جو اقوام لامذہب ہیں۔ وہ تو ہر قسم کے نظام کو جو اُن کی عقل میں آجائے تسلیم کر سکتی ہیں لیکن لیکن وہ اقوام جو مذہب کو قبول کرتی ہیں وہ اصرار کریں گی کہ دنیا میں ایسا ہی نظام ہونا چاہیئے۔ جو مرنے کے بعد کی زندگی پر اثر انداز نہ ہوتا ہو۔ اس نقطۂ نگاہ کے ماتحت وہ مذاہب جو حیات بعد الموت کے قائل ہیں لازماً اقتصادی نظام کے بارہ میں انفرادی آزادی کے قیام کے پابند ہونگے۔ کیونکہ جو لوگ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں۔ کہ مرنے کے بعد انسان کو زندہ کیا جائیگا۔ وہ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ جو لوگ نیک اعمال بجا لائینگے انہیں جنت میں داخل کیا جائیگا۔ اللہ تعالیٰ کا قرب اُنکو حاصل ہوگا۔ خدا تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی اُن کے شامل حال ہوگی۔ اُس کی قدوسیّت اور سبوّحیت، انہیں ڈھانپے ہوئے ہوگی۔ وہ مقربانِ بارگاہ الٰہی میں شامل ہونگے۔ ہر قسم کے اعلیٰ روحانی علوم اُن کو حاصل ہونگے۔ اور دنیا کی سب کمزوریاں دُور ہو کر علم و عرفان کا کمال اُن کو حاصل ہوگا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ کوئی شخص کہہ دے یہ عقیدہ بالکل غلط ہے، جھوٹ ہے، وہم ہے۔ اس سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ لیکن بہرحال جو شخص یقین رکھتا ہے کہ مرنے کے بعد ایک اور زندگی ہمیں ملنے والی ہے۔ وہ لازماً اس دنیا میں ایسے ہی اعمال بجا لائیگا جو اُس کے نزدیک اگلے جہان کی زندگی میں اُس کے کام آنے والے ہوں۔ وہ کبھی اس مادی دنیا کے فوائد پر اُخروی زندگی کے فوائد کو قربان نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس دنیا کے فوائد تو پچاس ساٹھ یا سو سال تک حاصل ہو سکتے ہیں۔ مگر اگلے جہان کی زندگی بعض اقوام کے نزدیک کروڑوں اور اربوں سال تک اور بعض کے نزدیک دائمی ہے۔ یعنی وہ زندگی کبھی ختم ہونے والی نہیں۔ پس اگر یہ دونوں زندگیاں آپس میں تسلسل رکھتی ہیں۔ اگر یہ دنیا ہماری ایک منزل ہے آخری مقام نہیں ہے تو لازماً ہر شخص جو حیات بعد الموت کا

قائل ہے وہ اُخروی زندگی کے لمبے سفر کے فوائد کو ترجیح دیگا - اور اس دنیا کے چھوٹے سفر کے فوائد کو اگر وہ اسکی اُخروی ترقی کے راستہ میں حائل ہوں قربان کر دیگا - پھر ہم دیکھتے ہیں کہ وہ مذاہب جو اگلی زندگی پر یقین رکھتے ہیں اُن کا یہ بھی اعتقاد ہے - کہ دنیا میں جو طوعی نیک کام کئے جاتے ہیں - انہیں پر اگلی زندگی کے اچھے یا بُرے ہونے کا دارومدار ہے چنانچہ جتنے لوگ اُخروی حیات کے قائل ہیں وہ سب کے سب اس دنیا کو دارالمزرعہ سمجھتے ہیں - جس طرح ایک وقت کھیتی میں بیج بونے کا ہوتا ہے اور دوسرا وقت اس بیج سے پیدا شدہ فصل کو کاٹنے کا ہوتا ہے اور عقلمند زمیندار وہی چیز بوتا ہے جس کو فصل پر کاٹنے کی وہ خواہش رکھتا ہے - اسی طرح جو شخص اس زندگی کو اگلے جہان کی زندگی کا ایک تسلسل سمجھتا ہے - جو اس دنیا کو عالم مزرعہ قرار دیتا ہے - اور یقین رکھتا ہے کہ اس جہان کے اعمال اگلی زندگی میں میرے کام آئینگے وہ لازماً اس جہان کی کھیتی میں وہی جنس بوئیگا جس کے متعلق وہ جانتا ہوگا کہ اگلے جہان میں وہ جنس میرے کام آئیگی - اب خواہ آپ لوگ ایسا عقیدہ رکھنے والوں کو پاگل کہیں دیوانہ کہیں جاہل کہیں بہرحال جو شخص مانتا ہے کہ مرنے کے بعد پھر ایک نئی زندگی بنی نوع انسان کو حاصل ہوگی وہ لازماً اس دنیا کی زندگی کو تابع کریگا اگلے جہان کی زندگی کے - اور چونکہ اس دنیا کے ایسے ہی کاموں پر اگلے جہان کی زندگی کا مدار ہے - جو اپنی خوشی اور مرضی سے طوعی طور پر کئے جائیں - اس لئے لازماً وہ وہی اقتصادی نظام پسند کریگا جس میں اقتصادی طور پر ایک وسیع دائرہ میں افراد کو آزادی دی گئی ہو - کیونکہ اگر آزادی نہ دی گئی تو جن کاموں کو وہ نیک سمجھتا ہے، جن کاموں کو اختیار کرنا وہ اپنی اُخروی حیات کے لئے ضروری قرار دیتا ہے - اُن میں اُس کا دائرہ عمل وسیع نہیں ہوگا - اور وہ سمجھیگا کہ دائرہ عمل کے تنگ ہونے کی وجہ سے میں گھاٹے میں رہونگا - گویا مابعدالموت اعلیٰ زندگی کا دارومدار ہے اس دنیا کے طوعی نیک کاموں پر، اور طوعی نیک کاموں کا مدار اقتصادی حریت پر ہے - اگر اقتصادی طور پر افراد کو ایک وسیع دائرہ میں آزادی نہ دی جائے - تو طوعی نیک کاموں کا سلسلہ اور اخلاق فاضلہ کی وسعت بند اور محدود ہو جاتی ہے - اور انسان اپنے آپ کو گھاٹے میں سمجھتا ہے - پس جو مذہب مرنے کے بعد کی زندگی کا قائل ہے - اور اس دنیا کو عالم مزرعہ سمجھتا ہے - وہ پابند ہے اس کا کہ سوائے اشد مجبوری کی حالتوں کے انفرادی آزادی کو اقتصادیات میں قائم رکھے -

اسلام کا اقتصادی نظام میں انفرادی آزادی کو ملحوظ رکھنا

اس مسئلہ کو خوب ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ اسلام سب سے زیادہ حیات بعدالموت

کا قائل ہے۔ اس لئے اسلام مصر ہے اس بات پر کہ اقتصادیات میں انفرادی آزادی کو زیادہ سے زیادہ قائم رکھا جائے۔ کیونکہ وہ جتنا زیادہ آزاد ہوگا۔ اُسی قدر زیادہ اپنی مرضی سے کام کرکے اگلے جہان کی زندگی کو سُدھار سکیگا۔ اگر زندگی کے ہر پہلو کو مختلف قسم کے جالوں میں جکڑ دیا گیا تو وہ کوئی کام اپنی مرضی سے نہیں کر سکیگا۔ اور جب کوئی کام اپنی مرضی سے نہیں کر سکیگا تو اُسے اگلے جہان میں کسی ثواب کی بھی امید نہیں ہو سکیگی۔ کیونکہ ثواب ملتا ہے طوعی نیک کاموں پر۔ اگر ایک شخص جبر کے ماتحت کوئی کام کرتا ہے۔ تو گو وہ کام کیسا ہی اچھا ہو جب اگلے جہان میں اعمال کی جزا کا وقت آئیگا۔ تو اُسے کہا جائیگا۔ کہ یہ کام تم نے نہیں کیا لینن نے کیا ہے۔ یہ کام تم نے نہیں کیا سٹالن نے کیا ہے۔ یہ کام تم نے نہیں کیا انگریزوں نے کیا ہے۔ غرض جتنے کام انسان جبر کے ماتحت کرتا ہے۔ اُس میں وہ کسی اجر کا مستحق نہیں ہوتا۔ پس ایک سچے مسلمان کو جو اپنے مذہب کی بنیاد کو سمجھتا ہے حریت شخصی کے مٹا دینے کا قائل کرنا ناممکن ہے۔ اُسی صورت میں وہ اس امر کو تسلیم کریگا جب وہ اپنے مذہب کی بنیاد کا ہی انکار کر دیگا۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ ایک شخص جو مسلمان کہلاتا ہو۔ وہ اسلام کی تعلیم سے بدظن ہو جائے۔ اور وہ اُس تعلیم کا قائل ہی نہ رہے۔ جو اسلام نے اقتصادیات کے متعلق دی ہے۔ مگر جو شخص اسلام کی تعلیم پر یقین رکھتا ہو۔ جو اُس کے اقتصادی نظریات کو جزو ایمان قرار دیتا ہو وہ کبھی بھی حریت شخصی کو اصولی طور پر مٹا دینے کا قائل نہیں ہو سکتا۔

اسلام کے اقتصادی نظام کی بنیاد دو اصولوں پر

ان حالات میں یہ امر آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔ کہ اگر اسلام کوئی منصفانہ اور عادلانہ اقتصادی نظام قائم کریگا تو اُس کی بنیاد ان دو اصولوں پر ہوگی۔

(۱) بنی نوع انسان میں منصفانہ تقسیم اموال اور مناسب ذرائع کسب کی تقسیم کا اصول طوعی فردی قربانی پر ہونا چاہیئے۔ تاکہ دنیا کی اقتصادی حالت بھی درست ہو۔ اور اس کے ساتھ ہی انسان اپنی اُخروی زندگی کیلئے بھی سامان جمع کرے۔ اسی لئے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جو شخص اپنی بیوی کے مونہہ میں ثواب اور خدا تعالےٰ کی خوشنودی کی نیت سے لقمہ ڈالتا ہے۔ وہ ایسا ہی کام کرتا ہے جیسا کہ صدقہ کرنے والا۔ اب دیکھو یہ فعل وہ ہے جس میں انسان کی اپنی خواہش کا دخل ہے۔ وہ اپنی بیوی سے محبت کرتا ہے۔ وہ اپنی بیوی سے

پیار کرتا ہے۔ اور اس سے محبت کرنے میں لذّت حاصل کرتا ہے۔ لیکن اگر وہ اپنی نیّت کو بدل ڈالے اور بجائے اپنی محبت کے خدا تعالےٰ کے حکم اور اس کی رضا اور خوشنودی کو محبت اور پیار کا موجب بنالے۔ تو یہی چیز اُس کے لئے ثواب کا موجب بن جائیگی۔ روٹی اس کے پیٹ میں اُسی طرح جائیگی جس طرح پہلے جاتی تھی کپڑا اُس کی بیوی کے تن پر وہی مقصد پورا کریگا جو مقصد وہ پہلے پورا کرتا تھا۔ مگر اس صورت میں جب وہ خدا کے لئے اس سے محبت کریگا جب وہ خدا کیلئے اُس سے پیار کریگا۔ نہ صرف وہ اپنی بیوی کو خوش کریگا۔ نہ صرف وہ اپنے آپ کو خوش کریگا بلکہ اللہ تعالےٰ سے بھی ثواب کا امیدوار ہوگا۔ کیونکہ اُس نے یہ فعل خدا کی رضا کے لئے کیا ہوگا۔

(۲) دوسرا اصل اسلام کا یہ ہے۔ کہ چونکہ اموال اللہ تعالےٰ کے ہیں۔ اور اُس نے سب مخلوق کیلئے پیدا کئے ہیں۔ اس لئے جو حصّہ اوپر کی تدبیر سے پورا نہ کیا جا سکے۔ اس کے لئے قانونی طور پر تدارک کی صورت پیدا کی جائے۔ یعنی جو حصہ طوعی نظام سے پورا نہ ہو اور آدھورا رہ جائے۔ اُسے قانونی طور پر مکمل کرنے کی کوشش کی جائیگی۔ اور الٰہی نظام کو خراب نہیں ہونے دیا جائیگا۔

اسلامی اقتصاد کا لُبّ لباب

پس اسلامی اقتصاد نام ہے فردی آزادی اور حکومتی تداخل کے ایک مناسب اختلاط کا یعنی اسلام دنیا کے سامنے جو اقتصادی نظام پیش کرتا ہے۔ اس میں ایک حد تک حکومت کی دخل اندازی بھی رکھی گئی ہے اور ایک حد تک افراد کو بھی آزادی دی گئی ہے۔ ان دونوں کے مناسب اختلاط کا نام اسلامی اقتصاد ہے۔ فردی آزادی اس لئے رکھی گئی ہے تاکہ افراد آخرت کا سرمایہ اپنے لئے جمع کریں۔ اور اُن کے اندر تسابق اور مقابلہ کی روح ترقی کرے۔ اور حکومت کا تداخل اس لئے رکھا گیا ہے کہ امراء کو یہ موقعہ نہ ملے۔ کہ وہ اپنے غریب بھائیوں کو اقتصادی طور پر تباہ کر دیں۔ گویا جہاں تک بنی نوع انسان کو تباہی سے محفوظ رکھنے کا سوال ہے۔ حکومت کی دخل اندازی ضروری سمجھی گئی ہے اور جہاں تک تسابق اور اخروی زندگی کے لئے زاد جمع کرنے کا سوال ہے حرّیتِ شخصی کو قائم رکھا گیا ہے اور فردی آزادی کو کچلنے کی بجائے۔ اُس کی پوری پوری حفاظت کی گئی ہے۔ پس اسلامی اقتصادیات میں فردی آزادی کی بھی پوری حفاظت کی گئی ہے۔ تاکہ انسان طوعی خدمات کے ذریعہ سے آئندہ کی زندگی کے لئے سامان بہم پہنچا سکے۔ اور تسابق کی روح ترقی پاکر ذہنی ترقی کے میدان کو ہمیشہ کے لئے وسیع کرتی چلی جائے۔ اور حکومت کا دخل بھی

قائم رکھا گیا ہے۔ تاکہ فرد کی کمزوری کی وجہ سے اقتصادیات کی بنیاد ظلم، بے انصافی پر قائم نہ ہو جائے۔ اور بنی نوع انسان کے کسی حصہ کے راستہ میں روک نہ بن جائے۔

اس مضمون کے سمجھ لینے کے بعد یہ سمجھ لینا آسان ہے کہ اسلام خصوصاً اور دیگر مذاہب عموماً جو بعث بعد الموت کے قائل ہیں، اس مسئلہ پر خالص اقتصادی نقطۂ نگاہ سے نہیں بلکہ مذہبی، اخلاقی اور اقتصادی تین نقطہائے نگاہ سے نظر کریں گے۔ اور ان تین اصولوں کی مشترک راہنمائی سے اس کا فیصلہ کریں گے۔ ان سے خالص اقتصادی نقطۂ نگاہ سے نظر ڈالنے کی امید ان کے مذہب میں تداخل کے برابر ہوگی۔ جسے وہ کبھی برداشت نہیں کر سکتے۔ وہ شخص جو مذہب کو نہیں مانتا وہ تو بے شک صرف اقتصادی نقطۂ نگاہ سے اس مضمون کو دیکھے گا۔ لیکن وہ شخص جو مذہب کو مانتا ہے۔ وہ صرف یہ نہیں دیکھیگا۔ کہ کس قسم کا اقتصادی نقطۂ نگاہ اس کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ بلکہ وہ یہ بھی چاہیگا کہ اس کے سامنے ایک ایسا طریق عمل آجائے۔ جو اقتصادی قانون کے لحاظ سے بھی درست ہو۔ اخلاقی قانون کے لحاظ سے بھی درست ہو۔ اور مذہبی قانون کے لحاظ سے بھی درست ہو۔

اس تمہید کے بعد اب میں یہ بتاتا ہوں کہ اوپر کے دو اصولوں کے ماتحت اسلام نے ہر فرد کو تجارت اور صنعت و حرفت وغیرہ میں آزادی سے کام کرنے کی اجازت دی ہے۔ مگر اس کی آزادی کو ایسی حدبندیوں میں رکھ دیا ہے۔ جو اس کی جائز بلند پروازی کو روکیں بھی نہیں۔ اور اس کی انفرادیت کو کچلیں بھی نہیں۔ اور پھر ناجائز آزادی کے خطرات سے بھی اسے محفوظ کر دیں۔ سو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اقتصادی مقابلے جو دنیا میں ہوتے ہیں۔ ان میں مختلف قسم کی خرابیوں کے پیدا ہونے اور ظلم و بیداد کا دروازہ کھلنے کی وجہ چند خواہشات نفسانی ہوتی ہیں۔ جو نفس انسانی میں پیدا ہوتی ہیں۔ ان میں سے بعض خواہشات ایسی ہیں جن کی وجہ سے وہ دنیا میں زیادہ سے زیادہ روپیہ سمیٹنا چاہتا ہے۔ دنیا کی حالت خواہ کتنی ہی خراب ہو غریب لوگ فاقہ سے مر رہے ہوں۔ بیوئیں روٹی کیلئے تڑپ رہی ہوں۔ یتیم کس مپرسی کی حالت میں پڑے ہوں۔ وہ یہی چاہتا ہے۔ کہ میرے پاس زیادہ سے زیادہ دولت جمع ہو جائے۔ اس ظلم اور تعدی کے کئی محرکات ہوتے ہیں جن کا قرآن کریم میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ وہ کونسے محرکات ہیں۔ جو اس روح کے پس پردہ کام کر رہے ہوتے ہیں۔

دولت کمانے کے محرکات

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (الحدید ع۳ ۱۹)۔

یاد رکھو۔ دنیا کی زندگی میں جو لوگ روپیہ کمانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اُن کی اس کوشش اور جد وجہد کے کچھ محرکات ہوتے ہیں۔ جن کی بنا پر وہ ایسی کوشش کرتے ہیں (۱) پہلی وجہ تو لَعِبٌ ہے۔ اُن کے دلوں میں کھیل کود کی خواہش ہوتی ہے۔ اور یہ کھیل کود کی خواہش اُن کے لئے روپیہ کمانے کا محرک بن جاتی ہے۔ لَعِبٌ میں جوئے بازی سٹہ بازی اور گھوڑ دوڑ وغیرہ سب شامل ہیں۔ انسان چاہتا ہے کہ میرے پاس روپیہ ہو اور میں جوا کھیلوں۔ روپیہ ہو اور میں سٹہ بازی کروں۔ روپیہ ہو اور میں گھوڑ دوڑ میں حصہ لیا کروں۔ یہ کھیل کود کی خواہش اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اور وہ چاہتا ہے کہ کسی طرح روپیہ جمع کر کے اپنی اس خواہش کو پورا کرے۔ (۲) دوسری وجہ لَهْوٌ کی بتاتا ہے۔ لوگ اگر روپیہ کماتے ہیں۔ تو اس کی ایک وجہ لَهْوٌ بھی ہوتی ہے۔ یعنی وہ چاہتے ہیں کہ اُن کے پاس اتنی دولت ہو کہ انہیں کوئی کام نہ کرنا پڑے۔ سارا دن سست اور بیکار بیٹھے رہیں۔ یا تاش۔ گنجفہ اور شراب وغیرہ میں اپنا وقت گذار دیں۔ یہ چیز بھی ایسی ہے۔ جو لوگوں کیلئے مال جمع کرنے کا محرک بن جاتی ہے۔ (۳) تیسری وجہ جلب زر کی خواہش کی زِيْنَةٌ بتائی گئی ہے یعنی انسان چاہتا ہے۔ میرے کپڑے عمدہ ہوں۔ لباس عمدہ ہو۔ سواریاں عمدہ ہوں اور عمدہ عمدہ کھانے مجھے حاصل ہوں۔ (۴) چوتھا محرک روپیہ کمانے کا تَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ کا بتایا گیا ہے۔ یعنی بعض لوگ اس بات کے لئے بھی روپیہ جمع کرتے ہیں کہ لوگوں میں اُن کی عزت بڑھے۔ وہ بڑے مالدار مشہور ہوں۔ اور لوگوں سے کہہ سکیں کہ تم جانتے نہیں ہم کتنے امیر ہیں۔ مَیں نے دیکھا ہے یہ مرض اتنا بڑھا ہوا ہے۔ کہ ہمارے ملک میں تو بعض لوگ غلامی کے نسرد میں بھی اپنی بڑائی سمجھتے ہیں۔ وہ باتیں کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ آپ نہیں جانتے میں کون ہوں۔ میں انگریزی حکومت کا اتنا ٹیکس ادا کرنے والا ہوں۔ گویا بجائے اُن کے دل میں یہ احساس پیدا ہونے کے کہ مَیں دوسری قوم کا ماتحت ہوں اور اُسکو ٹیکس ادا کرتا ہوں۔ وہ اُسے فخریہ طور پر پیش کرتے ہیں۔ کہ مَیں

اتنا ٹیکس گورنمنٹ کو ادا کرتا ہوں۔ بلکہ میں نے تو اس سے بھی زیادہ دیکھا ہے۔ کہ بعض ہندوستانی اس پر بھی فخر کرتے کہ "میں بڑے صاحب کا اردلی ہوں" پس فرماتا ہے۔ روپیہ کمانے کا ایک محرک یہ بھی ہوتا ہے کہ لوگ چاہتے ہیں۔ ہم دوسروں پر فخر کر سکیں۔ ان پر رعب ڈال سکیں اور انہیں کہہ سکیں کہ ہم اتنے مالدار ہیں۔ تمہارا فرض ہے۔ کہ ہماری باتیں مانو۔ (۵) پانچواں محرک مال زیادہ کمانے کا تکاثر فی الاموال ہوتا ہے۔ یعنی محض روپیہ جمع کرنے کی خواہش بھی بعض لوگوں کو زیادہ سے زیادہ روپیہ سمیٹنے پر آمادہ کر دیتی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ ان کے پاس دوسروں سے زیادہ روپیہ جمع ہوتا جائے۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہمارے ہمسایہ کے پاس اگر دس لاکھ روپیہ ہے۔ تو ہمارے پاس ایک کروڑ روپیہ ہو۔ یا اس کے پاس اگر ایک کروڑ روپیہ ہو تو ہمارے خزانہ میں دو کروڑ روپیہ ہو۔ جہاں تک میں نے غور کیا ہے یہی امور دولت کمانے کے محرک ہوتے ہیں جو قرآن کریم نے بیان کئے ہیں۔

اسلام میں ناجائز اغراض کیلئے دولت کمانے کی ممانعت

ان محرکات کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔ كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا۔ ہم ان تمام امور کو اس بادل کی طرح قرار دیتے ہیں جو آسمان پر چھا جاتا ہے اور زمیندار سمجھتا ہے کہ اب اس بادل کے برسنے سے میری کھیتی ہری بھری ہو جائیگی۔ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا مگر جب وہ بادل برستا ہے۔ تو ایسے رنگ میں برستا ہے۔ کہ بجائے اس کے کہ وہ کھیتی ہری بھری ہو۔ بجائے اس کے کہ غلّہ زیادہ پیدا ہو۔ بجائے اس کے کہ زمیندار کو نفع ہو۔ وہ کھیتی سوکھ جاتی ہے اس کا دانہ سڑ جاتا ہے۔ اور آخر ردّی ہو کر وہ کوڑا کرکٹ بن جاتی ہے۔ مثلاً زیادہ بارش ہو جاتی ہے۔ اور کھیتی برباد ہو جاتی ہے۔ یا ضرورت سے کم بارش برستی ہے اور اس صورت میں بھی کھیتی کو نقصان پہنچتا ہے۔ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ اور علاوہ اس کے کہ ان امور کا نتیجہ اس دنیا میں خراب نکلتا ہے۔ مرنے کے بعد بھی ایسے لوگوں کو عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ لیکن جو لوگ ان محرکات کو دباتے ہیں اور ان کا شکار نہیں ہوتے ان کو اللہ تعالےٰ اپنی بخشش سے ڈھانپ لیتا ہے اور اپنی رضاء اور خوشنودی سے مسرور کرتا ہے۔ پھر فرماتا ہے۔ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ۔ اور اس دنیا کی

زندگی تو بالکل دھوکے کی زندگی ہے۔ جب ہمارے پاس مغفرت اور رضوان بھی ہے اور ہمارے پاس عذاب بھی ہے۔ تو اے انسان، تو دنیا کی لغو خواہشات کی وجہ سے ہماری مغفرت اور ہماری رضوان کو کیوں نظرانداز کر رہا ہے۔ اور کیوں اعلیٰ درجہ کی چیزوں کو چھوڑ کر ذلیل اور ادنیٰ چیزوں کی طرف دوڑ رہا ہے۔ اس آیت میں قرآن کریم نے اُن محرکات و موجبات کو ذلیل اور حقیر اور مضر بتایا ہے جو دنیا کمانے کی طرف انسان کو توجہ کرتے ہیں۔ اور فرماتا ہے کہ یہ سب امور جو ناجائز دنیا کمانے کا موجب ہوتے ہیں۔ نتیجہ کے لحاظ سے ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے کہ عمدہ کھیتی سوکھ کر راکھ ہو جائے۔ یعنی جسطرح وہ کام نہیں آتی اسی طرح ایسی دولت بھی انسان کو کوئی حقیقی نفع نہیں بخشتی۔ اس لئے تم اِن اغراض کے ماتحت دولت مت کماؤ کہ یہ خدا تعالیٰ کا غضب بھڑکانے کا موجب ہیں۔ جب اُس کے پاس فضل بھی ہے۔ تو تم کیوں فضل کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے اور کیوں اِن حقیر اور ذلیل خواہشات کے پیچھے چلتے ہو۔

اب ظاہر ہے جو شخص اسلام پر عمل کرے وہ کبھی اوپر کے محرکات سے متأثر ہو کر دولت نہیں کما سکتا۔ اور اگر اس حکم پر عمل کرتے ہوئے وہ کچھ کمائیگا بھی۔ تو وہ نیک کاموں میں خرچ ہو جائیگا۔ اور اس طرح غربت و امارت کی خلیج وسیع نہ ہوگی بلکہ پاٹی جائیگی۔ کیونکہ اِن اغراض کے روک دینے کے بعد کوئی ایسا محرک باقی نہیں رہتا جس کی وجہ سے کوئی شخص اپنے نفس کے لئے اموال کما سکے۔ کیونکہ مال کمانے کی تین ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) اپنی ضرورت کے مطابق (۲) اپنی ضرورت سے زیادہ لیکن اس لئے کہ اُس سے بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچ سکے۔ اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر سکے۔ (۳) مال اوپر کے بُرے محرکات کی وجہ سے کمائے یعنی کھیل تماشے کے لئے۔ عیاشی کے لئے، فخر اور عزت کے لئے، حرص مال کی وجہ سے۔ ظاہر ہے کہ آخر الذکر صورت میں ہی انسان ناجائز طور پر مال کمائیگا۔ اور دوسرے انسانوں کے لئے نقصان کا موجب ہوگا۔ اوّل الذکر دونوں صورتوں میں یہ بات پیدا نہ ہوگی۔ جو شخص ضرورت کے مطابق کمائیگا وہ بھی دوسروں کے لئے نقصان کا موجب نہ ہوگا۔ اور جو ضرورت سے زائد کمائے گا۔ لیکن اس مال کے کمانے کا محرک صرف خیر و نیکی میں مسابقت کی روح ہوگی اس کا مال بھی دوسرے انسانوں کے فائدہ کے لئے خرچ ہوگا۔ اور اس سے فراد ملک یا قوم کو کوئی نقصان نہ پہنچیگا۔

اسلام میں دولت کے غلط استعمال کی ممانعت

اَب میں اس بارہ میں اسلامی احکام ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہوں۔ کہ اسلام نے کس طرح دولت کے غلط خرچ کو روکا ہے۔

اوّل سچے مسلمان کی نسبت قرآن کریم فرماتا ہے۔ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ (المومنون ع) یعنی مسلمان وہی ہیں جو لغو کاموں سے بچیں یعنی ایسے کاموں سے جن کا کوئی عقلی فائدہ نظر نہ آتا ہو۔ مثال کے طور پر شطرنج ہے تاش ہے یا اور اسی قسم کی کئی کھیلیں ہیں جن سے وقت ضائع ہوتا ہے۔ اسلام ہر مومن کو یہ ہدایت دیتا ہے کہ وہ اس قسم کے لغو کاموں سے بچے اور شطرنج یا تاش یا اس قسم کی دوسری کھیلوں میں حصہ لے کر اپنے وقت کو ضائع نہ کرے۔ یا مثلاً مجالس میں بیٹھ کر گپیں ہانکنا ہے۔ یہ بھی لغو ہے۔ یا مثلاً بیکار زندگی بسر کرنا ہے۔ یہ بھی لغو ہے بعض لوگوں کو عادت ہوتی ہے کہ وہ سارا دن بے کار بیٹھے دوستوں کی مجلس میں گپیں ہانکتے رہتے ہیں اور اس بات کی ذرا بھی پروا نہیں کرتے کہ وہ اپنے اوقات کا کس بے دردی کے ساتھ خون کر رہے ہیں۔ ایک شخص کا باپ مرجاتا ہے اور وہ اپنے پیچھے بہت بڑی جائیداد چھوڑ جاتا ہے۔ اب لڑکے کا کام یہی رہ جاتا ہے۔ کہ وہ سارا دن اپنے دوستوں کی مجلس میں بیٹھا رہتا ہے۔ ایک آتا ہے اور کہتا ہے نواب صاحب آپ ایسے ہیں۔ یا لالہ صاحب آپ ایسے ہیں۔ یا پنڈت صاحب آپ ایسے ہیں یا شاہ صاحب آپ ایسے ہیں پھر دوسرا تعریف شروع کر دیتا ہے۔ وہ خاموش ہوتا ہے تو تیسرا اس کی تعریف شروع کر دیتا ہے۔ اس طرح سارا دن یہی شغل جاری رہتا ہے۔ کہ دوست آتے ہیں گپیں ہانکتے ہیں۔ اور اُس کی تعریفیں کرتے رہتے ہیں۔ یا اُسے بدراہ پر چلانے کے لئے عورتوں یا جوئے یا شراب یا اسراف کے دوسرے طریقوں کی تعریفیں کرتے رہتے ہیں۔ اس پر وہ بھی اُن کی خوب خاطر تواضع کرتا ہے۔ اگر تھوڑی توفیق ہوئی تو پان الائچی سے تواضع کر دیتا ہے اور اگر زیادہ توفیق ہوئی تو صبح شام اُن کو کھانا اپنے دستر خوان پر کھلاتا ہے۔ مگر اس لئے نہیں کہ وہ غریب ہیں۔ اس لئے نہیں کہ وہ بھوکے ہیں۔ اس لئے نہیں کہ وہ ہمدردی کے قابل ہیں۔ بلکہ اس لئے کہ وہ اُس کے

پاس آکر بیٹھ جاتے ہیں۔ اور مجلس میں خوشی کے ساتھ دن گذر جاتا ہے۔ اسلام اس قسم کے کاموں کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ وہ فرماتا ہے۔ مسلمان ہمیشہ لغو کاموں سے بچتے اور احتراز کرتے ہیں۔ وہ کوئی ایسا کام نہیں کرتے اور کوئی ایسا کام اُن کو نہیں کرنا چاہیئے جس کا کوئی عقلی فائدہ نہ ہو۔ اور جس سے زندگی بیکار ہو جاتی ہو۔ وہ شخص جو اپنے ماں باپ کی کمائی کھاتا ہے اور خود کوئی کام نہیں کرتا آخر اُسے سوچنا چاہیئے کہ اُس کے اِس فعل کا اُسے کیا فائدہ ہو سکتا ہے یا اسکی قوم کو کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ یہ چیز تو ایسی ہے جسکا اسکی ذات کو بھی کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا اسکی قوم کو بھی کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اور دنیا کو بھی کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ یہ زندگی کو محض بیکاری اور عیاشی میں ضائع کرتا ہے۔ اور اسلام اس قسم کی بیکار زندگی کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر ایک شخص کو اپنے باپ کے مرنے کے بعد دس کروڑ روپیہ بھی جائیداد میں ملتا ہے تو قرآن کریم کا حکم یہی ہے۔ کہ وہ اتنی بڑی جائیداد کا مالک ہونے کے باوجود اپنے وقت کو ضائع نہ کرے۔ بلکہ اُسے قوم اور مذہب کے فائدہ کے لئے خرچ کرے۔ اگر اُسے اس قسم کی خدمات کی ضرورت نہیں جن کے نتیجہ میں اُسے روٹی میسّر آئے تو وہ ایسی خدمات سرانجام دے سکتا ہے۔ جو آنریری رنگ رکھتی ہوں۔ اس طرح وہ بغیر معاوضہ لئے اپنے ملک یا اپنی قوم یا اپنے مذہب کی خدمت کرکے اپنے وقت کو بھی ضائع ہونے سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ اور اپنے اوقات کا بھی صحیح استعمال کرکے اپنے آپ کو نافع الناس وجود بنا سکتا ہے۔ اسی طرح اسلام یہ ہدایت دیتا ہے کہ تم وہ کھیلیں مت کھیلو جو وقت کو ضائع کرنے والی اور زندگی کو بیکار کھونے والی ہوں۔ اسی حکم کے ماتحت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے۔ کہ مرد زیور نہ پہنیں۔ وہ ریشم استعمال نہ کریں۔ اسی طرح سونے اور چاندی کے برتن استعمال کرنے سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ عورتوں کے لئے زیور حرام نہیں۔ مگر اُن کیلئے بھی عام حالات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زیورات کو ناپسند فرمایا ہے۔ گو اس وجہ سے کہ وہ مقام زینت میں زیورات کا استعمال اُن کے لئے پوری طرح منع نہیں کیا۔ مگر اسلام اس بات کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ زیورات پر اسقدر روپیہ خرچ کیا جائے۔ کہ ملک کی اقتصادی حالت کو نقصان پہنچ جائے یا انہیں اسقدر زیورات بنوا کر دیئے جائیں۔ کہ اُن میں تفاخر کی روح پیدا ہو جائے۔ یا اس کے نتیجہ میں لالچ اور حرص کا مادہ اُن میں بڑھ جائے۔ اُن کے لئے زیورات کی اجازت ہے۔ مگر ایک حد کے اندر۔ لیکن مردوں کے لئے زیورات کا

استعمال قطعی طور پر حرام قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح وہ برتن جو سونے چاندی کے ہوں۔ اُن کا استعمال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ممنوع قرار دیا ہے۔

اسی ضمن میں وہ اشیاء بھی آجاتی ہیں جو عام طور پر محض زینت یا تفاخر کیلئے امراء اپنے مکانوں میں رکھتے ہیں۔ مَیں نے دیکھا ہے بعض لوگ اپنے مکان کی زینت کے لئے ایسی ایسی چیزیں خرید لیتے ہیں جن کا کوئی بھی فائدہ نہیں ہوتا۔ مثلاً بعض لوگ چینی کے پُرانے برتن خرید کر اپنے مکانوں میں رکھ لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔ کہ ہم نے ایک بڑی قیمتی چیز خریدی ہے۔ یوروپین لوگوں میں خصوصیت کے ساتھ یہ نقص ہے کہ وہ پانچ پانچ دس دس ہزار روپیہ تک اس قسم کے برتن خرید لیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں یہ وہ برتن ہیں جو آج سے اتنے ہزار سال پہلے کے ہیں۔ یا پُرانے قالین بڑی بڑی قیمت پر خرید کر اپنے مکانوں میں لٹکا لیتے ہیں۔ حالانکہ ویسے ہی قالین پچاس ساٹھ روپیہ میں آسانی سے مل جاتے ہیں۔ لیکن محض اس لئے کہ وہ لوگوں کو یہ بتا سکیں کہ یہ قالین فلاں بادشاہ کا ہے یا فلاں زمانہ کا ہے وہ بہت کچھ روپیہ اس کے خریدنے پر برباد کر دیتے ہیں۔ اسلام کے نزدیک یہ سب لغو چیزیں ہیں اور ان میں کوئی حقیقی فائدہ نہیں۔ صرف دولت کے اظہار کے لئے لوگ ان چیزوں کو خریدتے اور اپنے روپیہ کو برباد کرتے ہیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں کو عملاً ناجائز قرار دیدیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ مومن کا یہ کام نہیں کہ وہ ان لغو کاموں میں اپنے وقت کو ضائع کرے اور اس قسم کی بیکار چیزوں پر اپنے روپیہ کو برباد کرے۔ اِس لحاظ سے سینما اور تھیٹر وغیرہ بھی اس حکم کے نیچے آجائیں گے۔ کیونکہ سینما اور تھیٹروں وغیرہ پر بھی ملک کی دولت کا ایک بہت بڑا حصہ ضائع چلا جاتا ہے۔ مَیں نے ایک دفعہ حساب لگایا۔ تو معلوم ہُوا کہ کروڑوں کروڑ روپیہ سینما پر ہر سال خرچ ہوتا ہے۔ لاہور ہی میں کوئی پچیس ۲۵ کے قریب سینما سُنا جاتا ہے۔ اور اوسط آمد ہر سینما کی ہفتہ وار دو تین ہزار بتائی جاتی ہے۔ اگر اڑھائی ہزار اوسط آمد شمار کی جائے تو ماہوار آمد دس ہزار ہوئی۔ اور سالانہ ایک لاکھ بیس ہزار بیس سینما بھی اگر شمار کئے جائیں تو صرف لاہور کا سالانہ سینما کا خرچ چوبیس لاکھ کا ہُوا۔ اگر ہندوستان کے تمام شہروں اور قصبات کو سینما کے لحاظ سے پچاس لاہور کے برابر سمجھا جائے گو یقیناً اس سے زیادہ نسبت ہو گی تو بھی ایک ہزار سینما سارے ہندوستان میں بن جاتا ہے۔ اور بارہ کروڑ کے قریب سالانہ خرچ سینما کا ہو جاتا ہے۔ اور اگر سینما کے لوازمات کو بھی شامل کیا جاوے کہ ایسے لوگ بالعموم

شراب خوری اور ایک دوسرے کی عیاشانہ دعوتوں میں بھی روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ تو پچیس ۲۵ تیس ۳۰ کروڑ روپیہ سے زائد خرچ سینما اور اس کے لوازمات پر اٹھ جاتا ہے۔ اور یہ رقم حکومت ہند کی آمد کا ¼ حصہ ہے گویا صرف سینما پر اس قدر خرچ اٹھتا ہے کہ جو سارے ملک پر سال میں ہونے والے خرچ کا ایک چوتھائی ہے۔ حالانکہ اس کا کوئی بھی فائدہ نہ ملک کو ہوتا ہے نہ قوم کو ہوتا ہے۔ اور نہ خود سینما دیکھنے والوں کو ہوتا ہے۔

قرآن کریم اس قسم کے تمام راستوں کو بند کرتا ہے۔ اور فرماتا ہے۔ مومن وہی ہیں جو اس قسم کے لغو کاموں سے احتراز کریں۔ اور اپنی کمائی کا ایک پیسہ بھی ان پر ضائع نہ کریں۔ یورپ کی آزاد حکومتیں جو اپنی اقتصادی ترقی کے لئے ہمیشہ کوشش کرتی رہتی ہیں۔ اُن کی تو یہ حالت ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ سینما اور تھیٹر بناتی ہیں۔ جتنے سینما گھر آج انگلستان میں ہیں جنگ کے بعد یقیناً ان میں زیادتی کی جائیگی۔ اور کہا جائیگا کہ یہ سینما کم ہیں سینکڑوں اور سینما گھر بنائے جائیں۔ تاکہ وہ لوگ جو سینماؤں کی کمی کی وجہ سے اس تعیش سے محروم ہیں وہ بھی اس میں حصہ لے سکیں۔ اور ان کی دولت اور ان کا وقت بھی اس پر صرف ہو۔ لیکن اسلام قطعی طور پر ان تمام چیزوں کو جو بنی نوع انسان کے لئے مفید نہیں۔ بند کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم اس کی اجازت نہیں دے سکتے۔ اگر اسلام کے اِن احکام پر پوری طرح عمل کیا جائے۔ تو امراء کی ظاہری حالت بھی ایک حد تک مساوات کی طرف لوٹ آئے۔ کیونکہ ناجائز کمائی کا ایک بڑا محرک ناجائز اور بے فائدہ اخراجات ہی ہوتے ہیں۔

اسلام میں اسراف کی ممانعت

دوسرے اسلام نے اسراف سے منع کیا ہے جس کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ گو خرچ کا محل تو جائز ہو مگر خرچ ضرورت سے زیادہ ہو۔ مثلاً اونچی اونچی عمارات بنانا۔ یا زینت اور تفاخر کے طور پر باغ اور چمن تیار کرانا۔ ایک باغ ایسے ہوتے ہیں۔ جو پھلوں کے لئے تیار کئے جاتے ہیں۔ ایسے باغ بنانا اسلام کے رو سے منع نہیں ہیں۔ لیکن بعض باغ اس قسم کے ہوتے ہیں۔ جن کی غرض محض نمائش یا عیاشی ہوتی ہے۔ جیسے پرانے زمانہ میں بعض بادشاہ بڑے بڑے باغ تیار کرایا کرتے تھے۔ جن سے اُن کی غرض محض یہ ہوا کرتی تھی۔ کہ وہاں ناچ گانا ہو۔ اور وہ اس سے لطف اندوز ہوں۔ اس طرح محض اپنے نفس کے اہتزاز کیلئے وہ اتنا روپیہ خرچ کر دیتے تھے جو اسراف

میں داخل ہو جاتا تھا۔ لیکن اس قسم کے باغ بنانے جیسے میونسپل کمیٹیاں تیار کرایا کرتی ہیں۔ اور جن سے اُنکی غرض یہ ہوتی ہے کہ لوگ وہاں جائیں۔ سیر کریں۔ اور صحت میں ترقی کریں۔ اسلام کی رو سے منع نہیں ہیں۔ اسلام کے نزدیک اگر ایک میونسپل کمیٹی دس لاکھ روپیہ بھی اس قسم کے باغ تیار کرنے پر صرف کر دے جس سے چار یا پانچ لاکھ آدمی فائدہ اٹھا سکتے ہوں۔ تو وہ بالکل جائز کام کریگی۔ مثلاً لاہور کی آبادی ۹ لاکھ ہے۔ اگر لاہور کی میونسپل کمیٹی متعدد پارک بنانے پر لاکھوں لاکھ روپیہ خرچ کر دے۔ تو چونکہ نو لاکھ کی آبادی یا اس آبادی کی اکثریت اس سے فائدہ اٹھائیگی۔ اس لئے روپیہ کا یہ مصرف بالکل جائز سمجھا جائیگا۔ بلکہ اگر ایک لاکھ آدمی بھی اس سے فائدہ اٹھائیں گے تو یہ سمجھا جائیگا۔ کہ میونسپل کمیٹی نے ایک آدمی کی صحت کیلئے چار یا پانچ روپے صرف کئے۔ اور یہ بالکل جائز ہو گا۔ لیکن اگر ایک بادشاہ اپنے لئے یا اپنے بیوی بچوں کے لئے لاکھوں روپیہ خرچ کر کے ایک باغ تیار کراتا ہے۔ اور اس میں دوسروں کو جانے کی اجازت نہیں ہوتی تو اس کے یہ معنے ہونگے۔ کہ اس نے ایک ایک نفس پر لاکھ لاکھ یا دو دو لاکھ روپیہ خرچ کر دیا۔ حالانکہ اگر وہی ایک لاکھ یا دو لاکھ یا تین لاکھ یا چار لاکھ روپیہ عام لوگوں کے لئے خرچ کیا جاتا۔ تو لاکھوں لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے اور اُن کی صحت پہلے سے بہت زیادہ ترقی کر جاتی۔ پس اسلام جائز ضروریات پر روپیہ صرف کرنے سے نہیں روکتا۔ بلکہ اس امر سے روکتا ہے کہ روپیہ کو صحیح طور پر استعمال نہ کیا جائے۔ اور بنی نوع انسان کے حقوق کو تلف کر کے ناجائز فائدہ اٹھایا جاوے۔ اگر ایک دفتر بنانے کا سوال ہو۔ اور ہزاروں لوگوں کے لئے کمروں کی ضرورت ہو۔ تو خواہ بیس منزلہ مکان بنا لیا جائے۔ اور اس میں سینکڑوں کمرے ہوں۔ اسلام کے رو سے بالکل جائز ہوگا۔ لیکن وہ لوگ جو بلا وجہ اپنی ضرورت سے زائد کمرے بنوا لیتے ہیں بعض اس لئے کہ لوگ اُن کو دیکھیں اور تعریف کریں۔ قرآن کریم کے رو سے وہ ایک ناجائز فعل کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اور اسلام اُسے اسراف قرار دیتا ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو پکڑیگا۔ اور اس سے جواب طلب کریگا۔ کہ اس نے کیوں وہ روپیہ جو بنی نوع انسان کی خدمت یا اُن کی ترقی کے سامانوں پر صرف ہو سکتا تھا اس رنگ میں ضائع کیا اور ملک اور قوم کی اقتصادی حالت کو نقصان پہنچایا۔

دُور کیوں جائیں۔ تاج محل ہمارے گھر کی مثال ہے۔ مجھے خود وہ بہت پسند ہے۔ اور میں اُسے دیکھنے بھی جایا کرتا ہوں لیکن اسلامی اقتصاد کے لحاظ سے تاج محل کی تعمیر پر ناجائز طور پر روپیہ صرف کیا گیا ہے۔ تاج محل آخر کیا ہے۔ ایک بہت بڑی شاندار عمارت ہے۔ جو محض ایک عورت کی قبر پر زینت کے لئے بنائی گئی اور اُس پر کروڑوں روپیہ صرف کیا گیا۔ اگر وہی روپیہ صدقہ و خیرات پر صرف کیا جاتا۔ یا غرباء کے لئے کوئی ایسا ادارہ قائم کر دیا جاتا جس سے لاکھوں مساکین، لاکھوں یتیم، اور لاکھوں بے کس ایک مدت دراز تک فائدہ اٹھاتے چلے جاتے اور وہ اپنے کھانے اور اپنے پینے اور اپنے پہننے اور اپنے رہنے کے تمام سامانوں کو حاصل کر لیتے تو یہ زیادہ بہتر ہوتا۔ بیشک جہاں تک عمارت کا سوال ہے۔ جہاں تک انجنیئرنگ کا سوال ہے تاج محل کی ہم تعریف کرتے ہیں۔ اور اُسے دیکھنے کے لئے بھی جاتے ہیں۔ لیکن جہاں تک حقیقت کا سوال ہے ہمیں تسلیم کرنا پڑیگا کہ اس قسم کی عمارتیں جو بعض افراد محض اپنے نام و نمود کے لئے یا نمائش کے لئے دنیا میں تیار کرتے ہیں۔ اسلامی نقطۂ نگاہ سے ناجائز ہیں۔ لیکن وہ عمارتیں جو قوم کے لئے یا پبلک کے مفاد کیلئے یا ایسی ہی اور ضروریات کے لئے تیار کی جاتی ہیں۔ وہ خواہ کتنی ہی بلند ہوں جائز کہلائینگی۔ غرض بلا ضرورت اونچی عمارات بنانا زینت اور تفاخر کے طور پر باغات تیار کروانا۔ کھانا زیادہ مقدار میں کھانا یا بہت سے کھانے کھانا۔ لباس وغیرہ پر غیر ضروری رقوم خرچ کرنا۔ گھوڑے اور موٹریں ضرورت سے زیادہ رکھنا۔ فرنیچر وغیرہ ضرورت سے زیادہ بنوانا۔ عورتوں کا لیس اور فیتوں وغیرہ پر زیادہ رقوم خرچ کرنا ان سب امور سے قرآن کریم اور احادیث میں منع کیا گیا ہے۔ اور اس طرح مال کمانے کی ضرورتوں کو محدود کر دیا گیا ہے۔

سیاسی اقتدار کیلئے روپیہ خرچ کرنا

اِسی طرح مال اور دولت کی وجہ سے کسی کو سیاسی اقتدار دینے سے بھی اسلام نے منع فرما دیا ہے۔ مَیں اِس بارہ میں بیان کر چکا ہوں کہ قرآن کریم کا یہ صریح حکم ہے کہ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (النساء ع ۸) کہ تم حکومتیں انہی لوگوں کے سپرد کیا کرو۔ جو حکومت کے کام کے اہل ہوں۔ محض کسی کے مال یا اُس کی دولت کی وجہ سے اُس کو سیاسی اقتدار دیدینا اسلامی تعلیم کے ماتحت جائز نہیں ہے اسلئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم مال اور دولت کی وجہ سے نہیں بلکہ اہلیت اور قابلیت کی بنا پر لوگوں کے سپرد حکومتی کام کیا کرو۔ پس جو لوگ مال و دولت اس لئے جمع کرتے ہیں کہ اس کی وجہ سے

ہمیں حکومت میں حصہ مل جائیگا۔ یا بڑے بڑے عہدے ہمیں حاصل ہو جائینگے۔ اسلام اُن کے اس فعل کو بھی ناجائز قرار دیتا ہے۔ اور امّت مسلمہ کو یہ حکم دیتا ہے۔ کہ وہ حکّام کے انتخاب کے وقت اہلیت کو مدِ نظر رکھا کریں۔ یہ نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ دولت و ثروت کی وجہ سے کسی کو سیاسی اقتدار سونپ دیا جائے۔

روپیہ جمع کرنے کی حرص

پھر بعض لوگ دنیا میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو بہت سا روپیہ اپنے پاس جمع کر لیتے ہیں۔ اسلام نے اپنے متبعین کو روپیہ جمع کرنے سے بھی روک دیا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے:- وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ (التوبہ ع۵) فرماتا ہے۔ وہ لوگ جو سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور خدا تعالےٰ کے حکم کے ماتحت اُس کو خرچ نہیں کرتے۔ ہم اُنکو ایک دردناک عذاب کی خبر دیتے ہیں۔ جب سونا اور چاندی جہنّم کی آگ میں تپایا جائیگا۔ اور انہیں گلا کر اُن کے ماتھوں اور اُن کے پہلوؤں اور اُنکی پیٹھوں پر داغ دیا جائیگا اور کہا جائیگا کہ یہ وہ خزانے ہیں جو تم نے اپنے لئے اور اپنے خاندان کی ترقی کے لئے روک رکھے تھے اور خدا تعالےٰ کے بندوں کو تم نے اُن سے محروم کر دیا تھا۔ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ پس چونکہ لوگوں نے اس سونے اور چاندی سے فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ تم نے اُسے صرف اپنے لئے جمع کر رکھا تھا۔ اسلئے آج ہم یہ سونا اور چاندی تمہاری طرف ہی واپس لوٹاتے ہیں۔ مگر اُس جہان میں چونکہ سونا اور چاندی کسی کام نہیں آسکتے۔ اسلئے ہم اس رنگ میں یہ سونا اور چاندی تمہیں دیتے ہیں۔ کہ انکو گھلا پگھلا کر تمہارے ماتھوں اور پہلوؤں اور پیٹھوں پر داغ دینگے۔ تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ سونے اور چاندی کو روک رکھنا۔ اور بنی نوع انسان کی بہتری کے لئے اُسے صرف نہ کرنا کتنا بڑا گناہ تھا۔ گو یہ مثال جو میں نے دی ہے اس میں روپیہ کے غلط خرچ کا ذکر نہیں بلکہ روپیہ جمع کرنیکا ذکر ہے۔ لیکن درحقیقت یہ بھی غلط خرچ کے مشابہ ہے۔ کیونکہ غلط خرچ کا نقصان بھی یہی ہوتا ہے۔ کہ دوسرے لوگ اس سے فائدہ اٹھانے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اور روپیہ کو جمع کر رکھنے اور کام پر نہ لگانے سے بھی اس قسم کا نقصان ہوتا ہے پس نتیجہ کے لحاظ سے یہ روپیہ کا جمع کرنا اور اُسے نامناسب مواقع پر خرچ کرنا ایک سا ہی ہے۔

غرض جتنے محرکات دولت کے حد سے زیادہ کمانے یا اس کو اپنے پاس جمع رکھنے کے دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ اسلام نے ان سب کو رد کر دیا ہے۔ اور درحقیقت بعض محرکات و موجبات ہی دولت کے زیادہ کمانے یا ایسے لوگوں کے لئے خرچ نہ کرنے کے ہوا کرتے ہیں جب ان تمام محرکات کو ناجائز قرار دیدیا جائے تو کوئی شخص اتنی دولت جمع نہیں کر سکتا جو بنی نوع انسان کی ترقی میں روک بن جائے۔ مثلاً لوگ گھوڑ دوڑ کیلئے اعلیٰ درجہ کے قیمتی گھوڑے رکھتے ہیں۔ اور ان پر لاکھوں روپیہ خرچ کر دیتے ہیں۔ یا جوئے بازی پر ہزاروں روپیہ برباد کر دیتے ہیں۔ لیکن اس تعلیم کے ماتحت جو اسلام نے بیان کی ہے ایک مسلمان ریس (RACE) کیلئے گھوڑے نہیں رکھ سکتا۔ وہ سواری کے لئے تو گھوڑا رکھیگا۔ مگر وہ یہ نہیں کر سکتا کہ ریس (RACE) میں حصہ لینے کیلئے لاکھوں روپیہ گھوڑوں کی خرید پر خرچ کرتا چلا جائے۔ جب اس قسم کے تمام محرکات جاتے رہینگے تو یہ لازمی بات ہے۔ کہ روپیہ کے زیادہ کمانے کی خواہش اس کے دل میں باقی نہ رہے گی۔ روپیہ کی زیادہ خواہش اسی لئے پیدا ہوتی ہے۔ کہ انسان کہتا ہے۔ فلاں کے پاس ایک لاکھ روپیہ جمع ہے۔ میرے پاس بھی اتنا روپیہ جمع ہونا چاہیئے۔ یا فلاں نے ریس کیلئے بڑے اچھے گھوڑے رکھے ہوئے ہیں۔ میں بھی اعلیٰ درجہ کے گھوڑے خرید کر رکھوں۔ یا محض مال کی محبت ہو۔ اور انسان روپیہ کو محض روپیہ کیلئے جمع کرے۔ مگر جب اس قسم کی تمام خواہشات سے اسلام نے منع کر دیا۔ تو وہ ناواجب حد تک روپیہ کمانے کی فکر ہی نہیں کریگا۔

کمزور طبائع کا علاج

مگر اس تعلیم کے باوجود پھر بھی کمزور طبائع ناجائز حد تک روپیہ کما سکتی تھیں اور صرف وعظ اس غرض کو پورا نہیں کر سکتا تھا۔ آخر میں نے جو کچھ بیان کیا ہے یہ صرف ایک وعظ ہے جس سے انسان فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ لیکن دنیا میں ایسے کمزور طبع لوگ پائے جاتے ہیں جو وعظ سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ پس چونکہ دنیا میں ایک عنصر ایسے کمزور لوگوں کا بھی تھا جنہوں نے اس وعظ سے پورا فائدہ نہیں اٹھانا تھا۔ اس لئے شریعت اسلامی نے بعض ایسے آئین تجویز کر دیئے ہیں جن پر عمل کرانا حکومت کے ذمہ ہے۔ اور جن سے دولت ناجائز حد تک کمائی نہیں جا سکتی۔ وہ آئین جو اسلام نے مقرر کئے ہیں یہ ہیں:-

اسلام میں ناجائز طور پر روپیہ کے حصول کا سدِّ باب

سود کی مناعی

اوّل اسلام نے سود پر روپیہ لینے اور دینے سے منع کر دیا ہے۔ اور اسطرح تجارت کو محدود کر دیا تعجب کی بات ہے کہ عام طور پر ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ ایک طرف تو کمیونزم کے اصول کا دلدادہ ہے دوسری طرف سود کی بھی تائید کرتا نظر آتا ہے۔ حالانکہ دنیا کی اقتصادی تباہی کا سب سے بڑا موجب یہی سود ہے۔ سود کے ذریعہ ایک ہوشیار اور عقلمند تاجر کروڑوں روپیہ لے لیتا ہے۔ اور پھر اس روپیہ کے ذریعہ دنیا کی تجارت پر قبضہ کر لیتا ہے۔ بڑے بڑے کارخانے قائم کر لیتا ہے۔ اور ہزاروں ہزار لوگوں کو ہمیشہ کی غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ اگر دنیا کے مالداروں کی فہرست بنائی جائے تو اکثر مالدار وہی نکلینگے جنہوں نے سود کے ذریعہ ترقی کی ہوگی۔ پہلے وہ دو چار ہزار روپیہ کے سرمایہ سے کام شروع کرتے ہیں۔ اور رفتہ رفتہ وہ اتنی ساکھ پیدا کر لیتے ہیں کہ بڑے بڑے بنکوں سے لاکھوں روپیہ قرض یا اوور ڈرافٹ (OVER DRAFT) کے طور پر نکلوا لیتے ہیں۔ اور چند سالوں میں ہی لاکھوں سے کروڑوں روپیہ پیدا کر لیتے ہیں۔ یا ایک شخص معمولی سرمایہ اپنے پاس رکھتا ہے مگر اس کا دماغ اچھا ہوتا ہے۔ وہ کسی بنک کے سکرٹری سے دوستی پیدا کر کے اس سے ضرورت کے مطابق لاکھ دو لاکھ یا چار لاکھ روپیہ لے لیتا ہے۔ اور چند سالوں میں ہی اس سے کئی گنا نفع کما کر وہ کروڑپتی بن جاتا ہے۔ غرض جسقدر بڑے بڑے مالدار دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ انکے حالات پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا۔ کہ ان میں اپنی خالص کمائی سے بڑھنے والا شاید سو میں سے کوئی ایک ہی ہوگا۔ باقی ننانوے فیصدی ایسے ہی مالدار نظر آئیں گے جنہوں نے سود پر بنکوں سے روپیہ لیا اور تھوڑے عرصہ میں ہی اپنے اعلیٰ دماغ کی وجہ سے کروڑپتی بن گئے اور لوگوں پر اپنا رعب قائم کر لیا۔ پس سود دنیا کی اقتصادی تباہی کا ایک بہت بڑا ذریعہ اور غربا کی ترقی کے راستہ میں ایک بہت بڑی روک ہے جسکو دُور کرنا بنی نوع انسان کا فرض ہے۔ اگر ان لوگوں کو سود کے ذریعہ بنکوں میں سے آسانی کے ساتھ روپیہ نہ ملتا۔ تو دو صورتوں میں سے ایک صورت ضرور ہوتی۔ یا تو وہ

دوسرے لوگوں کو اپنی تجارت میں شامل کرنے پر مجبور ہوتے اور یا پھر اپنی تجارت کو اسقدر بڑھا نہ سکنے کہ بعد میں آنے والوں کیلئے روک بن جاتے اور ٹرسٹ وغیرہ قائم کرکے لوگوں کے لئے ترقی کا راستہ بالکل بند کر دیتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا۔ کہ مال ملک میں مناسب تناسب کے ساتھ تقسیم ہوتا اور خاص خاص لوگوں کے پاس حد سے زیادہ روپیہ جمع نہ ہوتا جو اقتصادی ترقی کے لئے سخت مہلک اور ضرر رساں چیز ہے۔ مگر افسوس ہے۔ کہ لوگ سود کے اِن نقصانات کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود جس طرح مکڑی اپنے ارد گرد جالا تنتی چلی جاتی ہے۔ اسی طرح وہ سود کے جال میں پھنستے چلے جاتے ہیں۔ اور اس بات پر ذرا بھی غور نہیں کرتے کہ ان کے اس طریق کا ملک اور قوم کیلئے کیسا خطرناک نتیجہ نکلیگا۔ اور اس الزام سے کمیونزم کے حامی بھی بری نہیں۔ وہ بھی اس جڑ کو جو سرمایہ داری کا درخت پیدا کرتی ہے نہ صرف یہ کہ کاٹتے نہیں بلکہ وہ اُسے بُرا بھی نہیں کہتے۔ ہزاروں لاکھوں کمیونسٹ دنیا میں ملیں گے جو سود لیتے ہیں۔ اور اسطرح بالواسطہ سرمایہ داری کی جڑیں مضبوط کرنے میں مدد کر رہے ہیں۔

سود کی وسیع تعریف

اسلام نے سود کی ایسی تعریف کی ہے جس سے بعض ایسی چیزیں بھی جو عرفِ عام میں سود نہیں سمجھی جاتیں سود کے دائرہ عمل میں آجاتی ہیں۔ اور وہ بھی بنی نوع انسان کے لئے ناجائز ہو جاتی ہیں۔ اسلام نے سود کی یہ تعریف کی ہے کہ وہ کام جس پر نفع یقینی ہو۔ اب اس تعریف کے ماتحت جتنے ٹرسٹ ہیں وہ سب ناجائز سمجھے جائیں گے۔ کیونکہ ٹرسٹ کی غرض یہی ہوتی ہے۔ کہ مقابلہ بند ہو جائے۔ اور جتنا نفع تاجر کمانا چاہیں اتنا نفع اُن کو بغیر کسی روک کے حاصل ہو جائے مثلاً ایک ملک کے پندرہ بیس بڑے بڑے تاجر اکٹھے ہو کر اگر ایک مقررہ قیمت کا فیصلہ کرلیں اور ایک دوسرے کا تجارتی مقابلہ نہ کرنے کا فیصلہ کریں۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ ایک چیز جو دو روپے کو تجارتی اصول پر بکنی چاہیئے اس کے متعلق وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم اُسے پانچ روپے میں فروخت کرینگے۔ اور چونکہ سب کا متفقہ فیصلہ یہی ہوگا۔ اس لئے لوگ مجبور ہونگے کہ پانچ روپے میں ہی وہ چیز خریدیں۔ کیونکہ اس سے کم قیمت میں اُن کو وہ چیز کسی اور جگہ سے مل ہی نہیں سکے گی۔ وہ ایک کے پاس جائیں گے۔ تو وہ پانچ روپے قیمت بتائیگا۔ دوسرے کے پاس جائیں گے تو وہ بھی پانچ روپے ہی قیمت بتاتا ہے۔ تیسرے کے پاس

جائینگے تو وہ بھی پانچ روپیہ ہی قیمت بتاتا ہے۔ غرض جس کے پاس جائیں گے۔ وہ پانچ روپیہ ہی قیمت بتائیگا اور آخر وہ مجبور ہو جائیگا کہ وہی قیمت ادا کرکے چیز خریدے۔ چھوٹے تاجروں کو اوّل تو یہ جرأت ہی نہیں ہوتی کہ اُنکا مقابلہ کریں اور اگر اُن میں سے کوئی شخص وہی چیز سستے داموں پر فروخت کرنے لگے مثلاً وہ اُس کی دو روپے قیمت رکھدے تو وہ بڑے تاجر جنہوں نے آپس میں اتحاد کیا ہُوا ہوتا ہے۔ اس کا سارا مال اس گری ہوئی قیمت پر خرید لیتے اور اس طرح اس کا چند دن میں ہی دیوالہ نکال دیتے ہیں پس یہ ٹرسٹ سسٹم ایک نہایت ہی خطرناک چیز ہے۔ اور دنیا کی اقتصادی حالت کو بالکل تباہ کر دیتا ہے۔ مجھے ایکدفعہ جماعت احمدیہ کی تجارتی سکیموں کے سلسلہ میں تحریک ہوئی کہ میں لاکھ کی تجارت کے متعلق معلومات حاصل کروں۔ لاکھ کی تجارت صرف چند لاکھ روپے کی تجارت ہے۔ اور لاکھ صرف ہندوستان کے چند علاقوں میں تیار ہوتی ہے۔ ریاست پٹیالہ میں بھی تیار کی جاتی ہے۔ مجھے تحقیق پر معلوم ہُوا کہ ایک یوروپین فرم اسکی تجارت پر قابض ہے میں نے وجہ دریافت کی تو مجھے بتایا گیا کہ اور تاجروں کی حیثیت تو پندرہ سولہ لاکھ کی ہوتی ہے مگر اِس یوروپین فرم کا سرمایہ تیس چالیس کروڑ روپیہ کا ہے۔ پھر اُن کے پاس صرف یہی تجارت نہیں بلکہ گندم کی تجارت بھی اُنکے ہاتھ میں ہے۔ کپڑے کی تجارت بھی اُن کے ہاتھ میں ہے۔ جیوٹ کی تجارت بھی اُنکے ہاتھ میں ہے۔ اسی طرح اور کئی قسم کی تجارتیں انکے ہاتھ میں ہیں۔ اُنکے مقابلہ میں جب کوئی تاجر چند لاکھ روپیہ صرف کرکے لاکھ کی تجارت شروع کرتا ہے تو وہ یوروپین فرم لاکھ کی قیمت اتنی کم کر دیتی ہے کہ جس نے نئی نئی تجارت شروع کی ہوتی ہے اُنکے مقابلہ میں ایک دن بھی نہیں ٹھیر سکتا اور نقصان اٹھا کر کفِ افسوس ملتا ہُوا گھر واپس آجاتا ہے۔ فرض کرو ایک شخص کا اس تجارت پر دس لاکھ روپیہ صرف ہُوا۔ اُسے توقع تھی کہ مجھے نفع حاصل ہوگا پس اُس نے یوروپین فرم کے مقابلہ کے لئے قیمت گرا کر رکھی۔ مگر اُس کو میدانِ مقابلہ میں دیکھتے ہی وہ یوروپین فرم لاکھ کی قیمت اِس قدر گرا دیگی۔ کہ اُس تاجر کو راس المال بچانا بھی مشکل ہو جائیگا اور آخر وہ مجبور ہو کر لاگت سے کم داموں پر اُسی یوروپین فرم کو اپنا لاکھ کا سٹاک دینے پر مجبور ہو جائیگا۔ اس یوروپین فرم کو قیمت گرانے سے نقصان نہ ہوگا۔ کیونکہ اپنے حریف کو شکست دیکر وہ پھر قیمت بڑھا دیگی۔ اس رنگ میں وہ یوروپین فرم لاکھ کی تجارت کو اپنے ہاتھ میں رکھتی ہے اور کوئی اس کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں کرتا۔

غرض جسقدر ٹرسٹ ہیں وہ بنی نوع انسان کو تباہ کرنیوالے ہیں اور چونکہ ٹرسٹ سسٹم میں نفع یقینی ہوتا ہے اس لئے اسلام کے مذکورہ بالا قاعدہ کے مطابق ٹرسٹ سسٹم اسلام کے روسے ناجائز قرار دیا جائے گا۔

یہی حال کارٹل سسٹم کا ہے۔ کارٹل سسٹم بھی ایک ایسی چیز ہے جو اسلامی نقطہ نگاہ سے بالکل ناجائز ہے ٹرسٹ سسٹم میں جہاں ایک ملک کے تاجر آپس میں سمجھوتہ کر کے تجارت کرتے ہیں وہاں کارٹل سسٹم میں مختلف ممالک کے تاجر آپس میں اتحاد پیدا کر لیتے ہیں۔ اور وہ فیصلہ کرتے ہیں کہ ہم نے فلاں چیز فلاں قیمت پر فروخت کرنی ہے۔ اس سے کم میں نہیں۔ ٹرسٹ سسٹم تو یہ ہے کہ ہندوستان کے تاجر آپس میں کسی امر کے متعلق سمجھوتہ کر لیں۔ اور کارٹل سسٹم یہ ہے کہ مثلاً امریکہ اور انگلستان کے تاجر یا امریکہ انگلستان اور جرمنی کے تاجر یا انگلستان اور ہندوستان کے تاجر آپس میں کسی تجارت کے متعلق سمجھوتہ کر لیں۔ فرض کرو کیمیکلز (Chemicales.) یعنی کیمیاوی ساخت کی اشیاء کے متعلق وہ کوئی سمجھوتہ کر لیں۔ مثلاً اِس زمانہ میں امریکہ انگلستان اور جرمنی یہ تین ممالک ہی کیمیکلز بنانیوالے ہیں اِن تینوں ممالک کے تاجر سمجھوتہ کر لیں۔ کہ ہم ایک دوسرے کا مقابلہ نہیں کریں گے بلکہ ایک ہی قیمت پر اپنی دواؤں کو فروخت کریں گے۔ تو اُس کے نتیجہ میں دنیا مجبور ہوگی کہ اُن سے اُسی قیمت پر دوائیں خریدے۔ اور جتنا نفع وہ مانگتے ہیں۔ وہ اُن کو دے۔ یہ کارٹل سسٹم اتنا خطرناک ہے کہ اِس سے حکومتیں بھی تنگ آ گئی ہیں۔ اور ابھی گذشتہ دنوں اِس جرم میں اس کی طرف سے کئی تاجروں پر مقدمات چل چکے ہیں۔ اور انہیں سزائیں بھی دی گئی ہیں۔ مگر چونکہ یقینی نفع کی تمام صورتوں کو اسلام نے ناجائز قرار دے دیا ہے۔ تاکہ دنیا کی دولت پر کوئی ایک طبقہ قابض نہ ہو جائے بلکہ مال تمام لوگوں میں چکر کھاتا رہے۔ اور غرباء بھی اس سے اپنی اقتصادی حالت کو درست کر سکیں۔ اسلامی حکومتوں میں یہ طریق چل نہیں سکتے۔

سامان کا روک رکھنا منع ہے

اِسی طرح اسلام نے ایک حکم یہ بھی دیا ہے کہ تم جو مال بھی تیار کرو یا دوسروں سے خریدو اُسے روک کر نہ رکھ لیا کرو۔ کہ جب مال مہنگا ہوگا اور قیمت زیادہ ہوگی۔ اُسوقت ہم اس مال کو فروخت کریں گے۔ اگر ایک تاجر مال کو قیمت بڑھنے کے خیال سے روک لیتا ہے اور اُسے لوگوں کے پاس فروخت نہیں کرتا تو اسلامی نقطہ نگاہ کے ماتحت وہ ایک

ناجائز فعل کا ارتکاب کرتا ہے۔ اگر ایک تاجر کے پاس گندم ہے۔ اور لوگ اپنی ضروریات کے لئے اُس سے گندم خریدنا چاہتے ہیں۔ اور وہ اِس خیال سے کہ جب گندم مہنگی ہوگی اُس وقت میں اسے فروخت کروں گا اُس گندم کو روک لیتا ہے اور خریداروں کو دینے سے انکار کر دیتا ہے تو اسلام کی تعلیم کے رو سے وہ ایک گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ چیزوں پر کنٹرول اِس زمانہ میں ہی کیا گیا ہے۔ حالانکہ کنٹرول اسلام میں ہمیشہ سے چلا آتا ہے۔ انگریزوں نے تو آج اس کو اختیار کیا۔ لیکن اسلام نے آج سے تیرہ سو سال پہلے یہ حکم دیدیا تھا۔ کہ احتکار منع ہے۔ اور احتکار کے معنی یہی ہوتے ہیں۔ کہ کسی چیز کو اس لئے روک لیا جائے کہ جب اس کی قیمت بڑھ جائیگی تب اسے فروخت کیا جائیگا۔ اگر کسی شخص کے متعلق یہ ثابت ہو جائے۔ کہ وہ احتکار کر رہا ہے اور اسلامی حکومت قائم ہو۔ تو وہ اُسے مجبور کریگی کہ وہ اپنا مال فروخت کر دے۔ اور اگر وہ خود فروخت کرنے کیلئے تیار نہ ہو۔ تو گورنمنٹ اس کے سٹور پر قبضہ کر کے مناسب قیمت پر اُسے فروخت کر دیگی۔ بہر حال کوئی شخص اس بات کا مجاز نہیں کہ وہ مال کو روک رکھے۔ اِس خیال سے کہ جب مہنگا ہوگا۔ تب میں اسے فروخت کرونگا۔ (اِس میں کوئی شک نہیں کہ احتکار کے معنے غلّہ کو روکنے کے ہیں۔ لیکن تفقہ کے ماتحت جو اسلام کا ایک جزو ضروری ہے اس حکم کو عام کیا جائیگا۔ اور کسی شے کو جو عوام کے کام آنے والی ہے اس لئے روک رکھنا کہ قیمت بڑھ جائیگی تو فروخت کریں اسلامی تعلیم کے رو سے ناجائز قرار دیا جائیگا)

اِسلام میں مال کی قیمت گرانے کی ممانعت

اِس کے علاوہ اسلام نے قیمت کو ناجائز حد تک گرانے سے بھی منع کیا ہے۔ اور جیسا کہ مَیں نے اوپر بیان کیا ہے قیمت کا گرانا بھی ناجائز مال کمانیکا ذریعہ ہوتا ہے۔ کیونکہ طاقتور تاجر اس ذریعہ سے کمزور تاجروں کو تھوڑی قیمت پر مال فروخت کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ اور ان کا دیوالہ نکلوانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ کا ایک واقعہ ہے کہ آپ بازار کا دورہ کر رہے تھے۔ کہ ایک باہر سے آئے ہوئے شخص کو دیکھا کہ وہ خشک انگور نہایت ارزاں قیمت پر فروخت کر رہا تھا جس قیمت پر مدینہ کے تاجر فروخت نہیں کر سکتے تھے۔ آپ نے اُسے حکم دیا کہ یا تو اپنا مال منڈی سے اٹھا کر لے جائے یا پھر اُسی قیمت پر فروخت کرے

جس مناسب قیمت پر مدینہ کے تاجر فروخت کر رہے تھے۔ جب آپ سے اس حکم کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے جواب دیا کہ اگر اس طرح فروخت کرنے کی اسے اجازت دی گئی تو مدینہ کے تاجروں کو جو مناسب قیمت پر مال فروخت کر رہے ہیں نقصان پہنچیگا۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ بعض صحابہؓ نے حضرت عمرؓ کے اس فعل کے خلاف رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ قول پیش کیا کہ منڈی کے بھاؤ میں دخل نہیں دینا چاہیئے مگر اُن کا یہ اعتراض درست نہ تھا۔ کیونکہ منڈی کے بھاؤ میں دخل دینے کے یہ معنے ہیں کہ پیداوار اور مانگ (Supply and Demand) کے اصول میں دخل دیا جائے۔ اور ایسا کرنا بیشک نقصان دہ ہے۔ اور اس سے حکومت کو بچنا چاہیئے۔ ورنہ عوام کو کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔ اور تاجر تباہ ہو جائیں گے۔ ہم نے قریب زمانہ میں ہی اس کا تجربہ کیا ہے۔ جب حکومت نے جنگ کی وجہ سے گندم کی فروخت کی ایک ہی قیمت مقرر کر دی۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اصلی تجارت بالکل رُک گئی کیونکہ کوئی عقلمند یہ امید نہیں کر سکتا۔ کہ تاجر اس قیمت پر خرید کر اُسی قیمت پر فروخت کر سکیگا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ گندم کی باقاعدہ تجارت بالکل بند ہو گئی۔ اور مقررہ قیمت چھ روپے کی جگہ سولہ روپیہ فی من تک گندم کی قیمت پہنچ گئی۔ لوگ گورنمنٹ کو خوش کرنے کیلئے اپنے بیوی بچوں کو فاقوں سے نہیں مار سکتے تھے۔ وہ ہر قیمت پر گندم خریدتے تھے۔ اور چونکہ گندم پر زندگی کا انحصار ہے وہ ان تاجروں کی رپورٹ کرنے کیلئے بھی تیار نہ تھے جو بلیک مارکیٹ ریٹس پر اُن کو گندم دیتے تھے۔ مَیں نے اس کے خلاف کئی ماہ پہلے گورنمنٹ کو توجہ دلائی تھی کہ آخر اِس قانون کا خطرناک نتیجہ نکلیگا۔ مگر حکومت نے اِس پر کان نہ دھرے اور آخر سخت ہنگامہ اور شور کے بعد معقول طریق اختیار کیا۔ پہلے قانون کی وجہ زمینداروں کی خدمت بتائی گئی تھی مگر نتیجہ الٹ نکلا۔ زمیندار لُٹ گئے۔ اور تاجر کئی گنے زیادہ قیمت حاصل کر گئے۔

غرض ناواجب طور پر منڈی کے بھاؤ میں دخل دینے اور پیداوار اور مانگ کے اصول کو نظر انداز کرنے سے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے۔ ورنہ ناواجب بھاؤ میں خواہ وہ قیمت کی زیادتی کے متعلق ہو خواہ قیمت کی کمی کے متعلق رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا۔

چنانچہ احتکار سے روکنا جو احادیث سے ثابت ہے اس امر کا یقینی ثبوت ہے۔ کیونکہ احتکار سے روکنے کی غرض یہی ہے کہ ناجائز طور پر بھاؤ کو بڑھایا نہ جائے۔ اور یہ مناعی یقیناً منڈی کے بھاؤ میں دخل دینا ہے۔ مگر جائز دخل ہے۔ پس معلوم ہوا کہ جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے منڈی کے بھاؤ میں دخل اندازی سے منع کیا تھا۔ تو ناجائز دخل اندازی سے منع کیا تھا۔ اصول اقتصادیات کے ماتحت دخل اندازی سے منع نہیں فرمایا تھا۔ اور حضرت عمرؓ کا فعل عین مطابق شریعت اور اسلام کے ایک زبردست قول کا ظاہر کرنے والا تھا۔

خلاصہ یہ کہ یہ تین چیزیں ایسی ہیں جن کے ذریعہ لوگ ناجائز طور پر دولت اپنے قبضہ میں کر لیا کرتے ہیں۔ اس لئے اسلام نے اِن تینوں چیزوں سے روک دیا ہے۔ اور اسطرح ناجائز اور حد سے زیادہ دولت کے اجتماع کے راستہ کو بند کر دیا ہے۔

حد سے زائد روپیہ کے جمع ہونے کے راستہ میں مزید روکیں

مگر چونکہ پھر بھی بعض لوگ ذہانت اور ہوشیاری کی وجہ سے ناجائز حد تک روپیہ کما سکتے تھے اور ہو سکتا تھا کہ اِن تمام ہدایات اور قیود اور پابندیوں کے باوجود بعض لوگوں کے پاس حد سے زیادہ روپیہ جمع ہو جائے۔ اور غرباء کو نقصان پہنچ جائے۔ اسلئے اسلام نے اس کا علاج مندرجہ ذیل ذرائع سے کیا:۔

زکوٰۃ

اوّل زکوٰۃ کا حکم دیا جس کا مفہوم یہ ہے۔ کہ جسقدر جائیداد کسی انسان کے پاس سونے چاندی کے سِکّوں یا اموالِ تجارت وغیرہ کی قسم میں سے ہو۔ اور اس پر ایک سال گذر چکا ہو۔ حکومت اس سے اندازاً اڑھائی فیصدی سالانہ ٹیکس لے لیا کرے گی۔ جو ملک کے غرباء اور مساکین کی بہبودی پر خرچ کیا جائیگا۔ اگر کسی شخص کے پاس چالیس روپے جمع ہوں اور اُن چالیس روپوں پر ایک سال گذر جائے۔ تو اس کے بعد لازماً اُسے اپنے جمع کردہ مال میں سے ایک روپیہ حکومت کو بطور زکوٰۃ ادا کرنا پڑے گا۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ انکم ٹیکس نہیں جو آمد پر ادا کیا جاتا ہو۔ بلکہ زکوٰۃ جمع کئے ہوئے مال پر کیپٹل ٹیکس ہے جو غرباء کی بہبودی کے لئے لیا جاتا ہے۔ اور زکوٰۃ ہر قسم کے مال پر واجب ہوتی ہے۔ خواہ سکے ہوں۔

یا جانور ہوں یا غلہ ہو یا زیور ہو یا کوئی دوسرا تجارتی مال ہو۔ صرف سونے چاندی کے وہ زیور جو عام طور پر عورتوں کے استعمال میں رہتے ہوں۔ اور غرباء کو بھی کبھی عاریۃً دیئے جاتے ہوں اُن پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے کیونکہ اگر وہ زیورات خود تو عام طور پر استعمال کئے جاتے ہوں مگر غرباء کو عاریۃً نہ دیئے جاتے ہوں تو اس صورت میں اُن کی زکوٰۃ ادا کرنا بھی فقہائے اسلام زیادہ مناسب قرار دیتے ہیں۔ اور جو زیور عام طور پر استعمال میں نہ آتے ہوں اُن پر زکوٰۃ ادا کرنا تو نہایت ضروری ہے۔ اور اسلام میں اس کا سختی سے حکم پایا جاتا ہے۔ یہ زکوٰۃ جب تک کسی کے پاس مال بقدر نصاب باقی ہو ہر سال ادا کرنی ضروری ہوتی ہے اور نہ صرف سرمایہ پر بلکہ سرمایہ اور نفع دونوں کے مجموعہ پر ادا کرنی ہوتی ہے۔ پس اگر کوئی شخص اوپر بیان کردہ تمام قیود اور پابندیوں کے باوجود کچھ روپیہ پس انداز کرلے۔ تو اسلامی حکومت اس ذریعہ سے ہر سال اس سے ٹیکس وصول کرتی چلی جائیگی۔ کیونکہ اسلامی نقطہ نگاہ یہ ہے کہ امراء کی دولت میں غرباء کے حقوق اور اُن کی محنت بھی شامل ہے۔ اس لئے ایک ایسا قاعدہ مقرر کر دیا گیا ہے جس کے مطابق ہر سال زکوٰۃ کے ذریعہ سے غرباء کا حق امراء سے لے لیا جائے گا۔

خمس

دوسری وجہ جس سے بعض لوگوں کے ہاتھ میں حد سے زیادہ مال جمع ہو جاتا ہے کانوں کی دریافت ہے۔ اسلام نے اس نقص کا علاج یہ کیا کہ اُس نے کانوں میں حکومت کا خمس حق مقرر کر دیا ہے۔ یہ پانچواں حصہ تو اس مال میں سے ہے جو کان سے نکالا جاتا ہے خواہ اُس پر سال چھوڑ ایک ماہ بھی نہ گذرا ہو۔ اسکے علاوہ کانوں کے مالک جو اپنے حصہ کے نفع میں سے پس انداز کریں اور اس پر ایک سال گذر جائے اُس پر زکوٰۃ الگ لگیگی۔ اور سال بسال لگتی چلی جائیگی۔ گویا اس طرح حکومت کانوں میں بھی حصہ دار ہو جاتی ہے۔ اور کانوں کے مالک جو روپیہ اپنے حصہ میں سے بچاتے ہیں۔ اُن سے بھی ہر سال غرباء کی ترقی کیلئے ایک مقررہ ٹیکس وصول کیا جاتا ہے۔ جب بھی کسی کے جمع کردہ مال پر ایک سال گذر جائیگا حکومت کے افراد اس کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ لاؤ جی غرباء کا حق ہمیں دے دو۔

طوعی صدقہ

تیسرے اسلام نے طوعی صدقہ رکھا ہے۔ چنانچہ اسلام کا حکم ہے کہ ہر شخص کو صدقہ و خیرات کے طور پر یتیموں غریبوں اور مسکینوں کی خبر گیری اور اُن کی پرورش کیلئے کچھ نہ کچھ

مال ہمیشہ خرچ کرتے رہنا چاہیئے۔ یہ حکم بھی ایسا ہے کہ اس کی وجہ سے کسی شخص کے پاس حد سے زیادہ دولت جمع نہیں رہ سکتی۔

ورثہ کی تقسیم

اگر ان تمام طریقوں سے کام لینے کے باوجود پھر بھی کسی انسان کے پاس کچھ مال بچ جائے۔ اور وہ اپنی جائیداد بنا لے تو اُس کے مرنے کے معا بعد شریعت اس کی تمام جائیداد کو اُسکے خاندان میں تقسیم کرا دیگی۔ چنانچہ ورثہ کا حکم شریعت میں اِسی غرض کے ماتحت رکھا گیا ہے۔ کہ کوئی شخص اپنی جائیداد کسی ایک شخص کو نہ دے جائے بلکہ وہ اُس کے ورثاء میں تقسیم ہو جائے۔ شریعت نے اِس تقسیم میں اولاد کا بھی حق رکھا ہے۔ ماں باپ کا بھی حق رکھا ہے۔ بیوی کا بھی حق رکھا ہے۔ خاوند کا بھی حق رکھا ہے۔ اور بعض حالتوں میں بھائیوں اور بہنوں کا بھی حق رکھا ہے۔ قرآن کریم نے صاف طور پر حکم دیا ہے کہ کسی شخص کو یہ اجازت نہیں ہے، کہ وہ اِس تقسیم کو بدل سکے۔ یا کسی ایک رشتہ دار کو اپنی تمام جائیداد سپرد کر جائے۔ اُسکی جسقدر جائیداد ہوگی شریعت جبراً اس کے تمام رشتہ داروں میں تقسیم کرا دیگی۔ اور ہر ایک کو وہ حصہ دیگی جو قرآن کریم میں اُسکے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ تعجب ہے کہ جہاں دنیا سود کی تائید میں ہے حالانکہ وہ دنیا کی بے جوڑ مالی تقسیم کا بڑا موجب ہے وہاں لوگ جبری ورثہ کے بھی اکثر مخالف ہیں۔ اور اس امر کی اجازت دیتے ہیں کہ ایک ہی لڑکے کو مرنے والا اپنا مال دے جائے۔ حالانکہ اِس سسٹم سے دولت ایک خاندان میں غیر محدود وقت تک جمع چلی جاتی ہے۔ لیکن اسلامی اصول وراثت کے مطابق جائیداد خواہ کتنی بڑی ہو تھوڑے ہی عرصہ میں اولاد در اولاد میں تقسیم ہو کر مالدار سے مالدار خاندان عام لوگوں کی سطح پر آ جاتا ہے۔ اور اس حکم کے نتیجہ میں کوئی بھی شخص ایسا نہیں ہو سکتا جسکی بڑی سے بڑی جائیداد یا بڑی سے بڑی دولت تین چار نسلوں سے آگے بڑھ سکے۔ وہ بمشکل تین چار نسلوں تک پہنچیگی۔ اور پھر سب کی سب ختم ہو جائیگی۔ اور آئندہ نسل کو اس بات کی ضرورت محسوس ہوگی کہ وہ اپنے لئے اور جائیداد پیدا کرے۔ یورپ اور امریکہ میں بڑے بڑے مالدار اور لارڈز اسی لئے ہیں۔ کہ انگلستان میں یہ قانون ہے کہ جائیداد کا مالک صرف بڑا بیٹا ہوتا ہے۔ اور امریکہ میں اجازت ہے۔ کہ باپ اپنی جائیداد چاہے تو صرف ایک بیٹے کو دے جائے۔ باقی ماں باپ بھائی بہنیں خاوند بیوی سب محروم رہتے ہیں۔ یا رکھے جا سکتے ہیں۔ پھر بعض دفعہ وہاں بڑے بڑے مالدار یہ وصیت کر جاتے ہیں کہ ہماری دس لاکھ

کی جائیداد ہے۔ اُس میں سے ایک لاکھ تو دوسرے رشتہ داروں کو دیدیا جائے اور نو لاکھ بڑے لڑکے کو دیدیا جائے۔ اسلام کہتا ہے کہ یہ بالکل ناجائز ہے۔ تمہارے خاندان کی عظمت سوسائٹی کے فائدہ کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی ہمیں اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ تمہارا خاندان ملک میں چوٹی کا خاندان ہمیشہ سمجھا جاتا ہے یا نہیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ مال تقسیم در تقسیم ہوتا چلا جائے تاکہ غرباء کو بڑے بڑے سرمایہ داروں کا مقابلہ نہ کرنا پڑے اور اُن کے لئے ترقی کا راستہ دنیا میں کھلا رہے۔

غرض ایک طرف اسلام نے جذبات پر قابو پایا۔ اور اُن تمام محرکات کو سل دیا جن کے نتیجہ میں انسان یہ چاہتا ہے کہ اُس کے پاس زیادہ سے زیادہ دولت جمع ہو۔ دوسری طرف اُس نے بیہودہ اخراجات کو حکماً روک دیا۔ اور کہدیا کہ ہم ان اخراجات کی تمہیں اجازت نہیں دے سکتے تیسری طرف روپیہ جمع کرنے کے تمام طریق جن میں یقینی نفع ہوا کرتا ہے اُس نے ناجائز قرار دے دیئے۔ چوتھی طرف زکوٰۃ اور طوعی صدقات وغیرہ کے احکام دے دیئے۔ اور اگر ان سب احکام کے باوجود پھر بھی کوئی شخص اپنی ذہانت اور ہوشیاری کی وجہ سے کچھ زائد روپیہ کما لیتا ہے اور خطرہ ہے کہ اس کا خاندان غرباء کے راستہ میں روک بن کر کھڑا ہو جائے تو شریعت اُس کے مرنے کے ساتھ ہی اس کی تمام جائیداد اس کے ورثاء میں تقسیم کر دیتی ہے۔ اگر کسی شخص کے پاس ایک کروڑ روپیہ ہے۔ اور اُس کے دس بیٹے ہیں۔ تو اس کے مرنے کے بعد ہر ایک کو دس دس لاکھ روپیہ مل جائیگا۔ اور اگر پھر اُن میں سے ہر ایک کے دس دس لڑکے ہوں۔ تو وہ دس لاکھ ایک ایک لاکھ میں تقسیم ہو جائیگا۔ اور تیسری نسل میں وہ دس دس ہزار روپیہ تک آجائیگا۔ گویا زیادہ سے زیادہ تین چار نسلوں میں بڑے سے بڑے تاجر کا بھی تمام روپیہ ختم ہو جائیگا۔ اور ایک بلاک غرباء کے راستہ میں کبھی کھڑا نہیں ہوگا تقسیم ورثہ صرف وقف کی صورت میں روکی جا سکتی ہے۔ مگر جس نے روپیہ کما کر غرباء اور رفاہ عام کے لئے جائیداد وقف کر دینی ہو۔ وہ ناجائز طور پر روپیہ کمائیگا ہی کیوں۔

ان احکام پر اگر عمل کیا جائے۔ تو لازماً جو روپیہ بھی زائد آئیگا یا وہ حکومت کے پاس چلا جائیگا یا وہ لوگوں کے پاس چلا جائیگا۔ اور یا پھر اولاد میں بٹ جائیگا۔ بہرحال کوئی شخص امیر نہیں رہیگا۔ اگر کوئی خود امیر ہو تو کوئی خاندان ایسا نہیں رہیگا جو مستقل طور پر اپنی خاندانی وجاہت یا اپنے خاندانی رعب کی وجہ سے ملک کے

غرباء کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ سکے۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں نے ان احکام پر پوری طرح عمل نہیں کیا۔ زکوٰۃ کا حکم موجود ہے مگر وہ زکوٰۃ نہیں دیتے۔ اسراف کے تمام طریقوں کو ناجائز قرار دیا گیا ہے مگر وہ اسراف سے باز نہیں آتے۔ ورثہ کا حکم دیا گیا ہے مگر وہ ورثہ کے احکام پر عمل نہیں کرتے لیکن پھر بھی چونکہ کچھ نہ کچھ عمل ہوتا ہے۔ اس لئے اسلامی ممالک میں امیروں اور غریبوں کا وہ فرق نہیں ہے۔ جو دوسرے ممالک میں پایا جاتا ہے۔ مگر ان تدابیر سے بھی پورا علاج نہیں ہوتا۔ ہو سکتا تھا کہ جو روپیہ حکومت کے پاس آئے۔ وہ پھر امراء ہی کی طرف منتقل ہو جائے۔ اور وہ دوبارہ اُسے اپنی طرف کھینچ لیں۔ قرآن کریم نے اس کا بھی علاج بتایا ہے۔ چنانچہ اُس نے اُس روپیہ پر جو حکومت کے پاس آئے کئی قسم کی پابندیاں عائد کر دی ہیں۔

حکومت کے روپیہ پر تصرّف کہ وہ امراء کو طاقت دینے کیلئے خرچ نہ ہو

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (الحشر ع)

فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو ارد گرد کی فتوحات کے ذریعہ جو روپیہ دیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور اُس کے رسول کے لئے ہے۔ اور قرابت والوں کے لئے ہے اور یتامیٰ اور مساکین کے لئے ہے اور ان مسافروں کے لئے ہے جو علوم پھیلانے اور اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کرنے کے لئے دنیا کے مختلف ممالک میں پھر رہے ہوتے ہیں۔ اور ہم نے یہ احکام تمہیں اس لئے دیئے ہیں تاکہ یہ روپیہ پھر امیروں کے پاس نہ چلا جائے۔ اور انہیں کے حلقہ میں چکر نہ کھانے لگے۔ ان آیات پر غور کرو۔ اور دیکھو کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے غرباء کے حقوق کی حفاظت کی ہے۔ اور اسلامی اقتصاد کی بنیادوں کو انتہائی طور پر مضبوط کر دیا ہے۔ فرماتا ہے۔ ہم نے یہ اسلامی اقتصادی نظام اس لئے قائم کیا ہے تاکہ اقتصادی حالت کو کوئی دھکا نہ لگے۔ اگر ہم آزادی دے دیتے۔ اور اپنی طرف سے حقوق مقرر نہ کرتے تو پھر یہ اموال امراء کی طرف منتقل ہو جاتے اور غرباء ویسے ہی خستہ حال رہتے جیسے پہلے تھے۔ پس ہم نے یہ قانون بنا دیا ہے۔ کہ وہ روپیہ جو حکومت کے قبضہ میں آئے پھر امیروں کے پاس ہی نہ چلا جائے۔ اس حکم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے حکومت کے اموال کو غرباء اور ان لوگوں

کیلئے جن کی ترقی کے راستہ میں روکیں حائل تھیں مخصوص کر دیا ہے۔

یہاں اللہ اور رسول کا جو حق مقرر کیا گیا ہے۔ درحقیقت اس سے مراد بھی غرباء ہی ہیں۔ اللہ اور اُس کے رسول کا نام صرف اس لئے لیا گیا ہے۔ کہ کبھی حکومت کو اس بات کی ضرورت ہوتی ہے۔ کہ وہ عبادت گاہیں بنائے کبھی حکومت کو اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ مدرسے بنائے۔ کبھی حکومت کو اس بات کی ضرورت ہوتی ہے۔ کہ وہ ہسپتال بنائے۔ اگر خالی غرباء کے حقوق کا ہی ذکر ہوتا تو جب کبھی حکومت اس روپیہ سے اس قسم کے کام کرنے لگتی۔ اُسوقت لوگ اس پر اعتراض کرتے کہ تم کو کیا حق ہے کہ اس روپیہ سے عبادت گاہیں بناؤ یا شفاخانہ بناؤ یا سڑکیں بناؤ یا سکول بناؤ یہ تو صرف غرباء کے کھانے پینے پہننے پر ہی خرچ ہونا چاہیئے پس اس نقص کے ازالہ کے لئے اللہ اور اُس کے رسول کے الفاظ رکھدیئے گئے ہیں۔ ورنہ یہ تو ظاہر ہے کہ اللہ کا حق بھی غرباء کو جائیگا۔ کیونکہ خدا تعالےٰ تو روپیہ لینے کیلئے نہیں آتا۔ اور رسول کا حق بھی غرباء کو جائے گا۔ کیونکہ رسول تو ایک فانی وجود ہوتا ہے۔ اُس کے نام سے مراد اسکا قائم کردہ نظام ہی ہو سکتا ہے۔

پھر ذی القربیٰ کا جو حق بیان کیا گیا ہے۔ اُس سے مراد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار نہیں ہیں۔ جیسا کہ بعض لوگ غلطی سے سمجھتے ہیں۔ کہ ذی القربیٰ کے الفاظ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اُن کا بھی اس روپیہ میں حق ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صاف فرما دیا ہے۔ کہ سادات کیلئے صدقہ یا زکوٰۃ کا روپیہ لینا حرام ہے۔ درحقیقت اِس سے مراد رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے جسمانی رشتہ دار نہیں بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو خدا تعالےٰ کی عبادت اور اس کے دین کی خدمت میں دن رات مشغول ہوں۔ اور اس طرح خدا اور اس کے رسول کے عیال میں داخل ہو گئے ہوں۔ گویا ذی القربیٰ کہکر بتایا کہ وہ لوگ جو دین کی خدمت پر لگے ہوئے ہوں۔ اُنکو نکمّا وجود نہیں سمجھنا چاہیئے وہ خدا تعالیٰ کا قرب چاہنے والے اور دنیا کو خدا تعالےٰ کے قرب میں بڑھانے والے ہیں۔ اُن پر بھی یہ روپیہ خرچ کیا جا سکتا ہے۔ پس وہ لوگ جو قرآن پڑھانے والے ہوں یا حدیث پڑھانے والے ہوں یا دین کی اشاعت کا کام کرنے والے ہوں اِس آیت کے مطابق ان پر بھی یہ روپیہ خرچ کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ جب وہ دن رات دینی اور مذہبی کاموں میں مشغول رہینگے تو یہ لازمی بات ہے۔ کہ وہ اپنے لئے دنیا کما نہیں سکیں گے۔ ایسی صورت میں اگر حکومت کی طرف سے اُن پر

روپیہ خرچ نہیں کیا جائیگا۔ تو دو صورتوں میں سے ایک صورت ضرور ہوگی۔ یا تو اُن کے اخلاق بگڑ جائیں گے اور وہ بھیک مانگنے پر مجبور ہونگے۔ اور یا پھر اس خدمت کو ہی ترک کر دیں گے۔ اور دوسرے لوگوں کی طرح دنیا کمانے میں لگ جائیں گے۔ حالانکہ خدا تعالٰے کا قرآن کریم میں یہ صاف طور پر حکم موجود ہے۔ کہ ہمیشہ مسلمانوں میں ایک جماعت ایسے لوگوں کی موجود رہنی چاہیئے جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اپنی زندگیاں وقف کئے ہوئے ہو۔ اور رات دن دین کی اشاعت کا کام سر انجام دے رہی ہو۔ پس ذی القربیٰ سے مراد خدمت دین کا کام کرنیوالے لوگ ہیں۔ اور اسلام یہ حکم دیتا ہے۔ کہ جہاں اس روپیہ میں غرباء کا حق ہے۔ وہاں ان لوگوں کا بھی حق ہے اور حکومت کا فرض ہے۔ کہ اُن پر روپیہ صرف کرے۔ پھر فرمایا کہ ہماری اس نصیحت کو یاد رکھنا۔ کہ یہ مال امراء کی طرف پھر منتقل نہ ہونے پائے۔ آخر میں وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ کہہ کر امراء کو سمجھایا کہ دیکھو تم اس روپیہ کو کسی طرح حاصل کرنے کی کوشش نہ کرنا کہ تمہارا فائدہ اسی میں ہے۔ کہ اللہ تعالٰے کے احکام کے ماتحت اپنی زندگی بسر کرو۔

اسلامی حکومت کا ہر شخص کیلئے روٹی کپڑے کا انتظام کرنا

اسلامی حکومت نے ان احکام پر اس طرح عمل کیا کہ جب وہ اموال کی مالک ہوئی تو اس نے ہر ایک شخص کی روٹی کپڑے کا انتظام کیا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب نظام مکمل ہوا۔ تو اُس وقت اسلامی تعلیم کے ماتحت ہر فرد بشر کے لئے روٹی اور کپڑا مہیا کرنا حکومت کے ذمہ تھا۔ اور وہ اپنے اس فرض کو پوری ذمہ داری کے ساتھ ادا کیا کرتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس غرض کیلئے مردم شماری کا طریق جاری کیا۔ اور رجسٹرات کھولے جن میں تمام لوگوں کے ناموں کا اندراج ہوا کرتا تھا۔ یورپین مصنفین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ پہلی مردم شماری حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کی۔ اور انہوں نے ہی رجسٹرات کا طریق جاری کیا۔ اس مردم شماری کی وجہ یہی تھی۔ کہ ہر شخص کو روٹی کپڑا دیا جاتا تھا۔ اور حکومت کے لئے ضروری تھا۔ کہ وہ اس بات کا علم رکھے کہ کتنے لوگ ملک میں پائے جاتے ہیں۔ آج یہ کہا جاتا ہے کہ سوویٹ رشیا نے غرباء کے کھانے اور اُن کے کپڑے کا انتظام کیا ہے۔ حالانکہ سب سے پہلے اس قسم کا اقتصادی نظام اسلام نے جاری کیا ہے اور عملی رنگ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہر گاؤں ہر قصبہ اور ہر شہر کے لوگوں کے نام رجسٹر میں

درج کئے جاتے تھے۔ ہر شخص کی بیوی اس کے بچوں کے نام اور اُن کی تعداد درج کی جاتی تھی۔ اور پھر ہر شخص کے لئے غذا کی بھی ایک حد مقرر کر دی گئی تھی۔ تاکہ تھوڑا کھانے والے بھی گذارہ کر سکیں۔ اور زیادہ کھانے والے بھی اپنی خواہش کے مطابق کھا سکیں۔ تاریخوں میں ذکر آتا ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابتداء میں جو فیصلے فرمائے اُن میں دودھ پینے بچوں کا خیال نہیں رکھا گیا تھا۔ اور اُن کو اُسوقت غلّہ وغیرہ کی صورت میں مدد ملنی شروع ہوتی تھی جب مائیں اپنے بچوں کا دودھ چھڑا دیتی تھیں۔ ایک رات حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کے حالات معلوم کرنے کے لئے گشت لگا رہے تھے۔ کہ ایک خیمہ میں سے کسی بچّہ کے رونے کی آواز آئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں ٹھہر گئے۔ مگر بچّہ تھا کہ روتا چلا جاتا تھا۔ اور ماں اُسے تھپکیاں دے رہی تھی تاکہ وہ سو جائے۔ جب بہت دیر ہو گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُس خیمہ کے اندر گئے اور عورت سے کہا کہ تم بچے کو دُودھ کیوں نہیں پلاتی یہ کتنی دیر سے رو رہا ہے۔ اس عورت نے آپ کو پہچانا نہیں۔ اُس نے سمجھا کہ کوئی عام شخص ہے چنانچہ اُس نے جواب میں کہا۔ کہ تمہیں معلوم نہیں عمرؓ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ دودھ پینے والے بچّہ کو غذا نہ ملے ہم غریب ہیں۔ ہمارا گذارہ تنگی سے ہوتا ہے۔ میں نے اس بچّے کا دودھ چھڑا دیا ہے تاکہ بیت المال سے اسکا غلّہ بھی مل سکے۔ اب اگر یہ روتا ہے تو روئے عمرؓ کی جان کو جس نے ایسا قانون بنایا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُسی وقت واپس آئے اور راستہ میں نہایت غم سے کہتے جاتے تھے کہ عمر! عمر! معلوم نہیں تو نے اس قانون سے کتنے عرب بچّوں کا دودھ چھڑوا کر آئندہ نسل کو کمزور کر دیا ہے۔ ان سب کا گناہ اب تیرے ذمہ ہے۔ یہ کہتے ہوئے آپ سٹور میں آئے دروازہ کھولا۔ اور ایک بوری آٹے کی اپنی پیٹھ پر اٹھالی۔ کسی شخص نے کہا کہ لائیے میں اس بوری کو اٹھا لیتا ہوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ نہیں! غلطی میری ہے اور اب ضروری ہے کہ اس کا خمیازہ بھی میں ہی بھگتوں۔ چنانچہ وہ بوری آٹے کی انہوں نے اس عورت کو پہنچائی۔ اور دوسرے ہی دن حکم دیدیا۔ کہ جسدن بچہ پیدا ہو۔ اُسی دن سے اس کیلئے غلّہ مقرر کیا جائے کیونکہ اُسکی ماں جو اُسکو دودھ پلاتی ہے زیادہ غذا کی محتاج ہے۔

قرآن مجید کا حکم کہ ہر فرد بشر کی ضرورت کو پورا کیا جائے

اب دیکھو! یہ انتظام اسلام نے شروع دن سے ہی کیا ہے۔ بلکہ قرآن کریم سے تو پتہ لگتا ہے کہ اس انتظام کی ابتداء حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے نہیں ہوئی بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے ہوئی ہے۔

چنانچہ پہلی وحی جو حضرت آدم علیہ السّلام پر نازل ہوئی اُس میں یہی حکم ہے کہ ہم تمہیں ایک جنّت میں رکھتے ہیں جس کے متعلق ہمارا یہ فیصلہ ہے کہ اِنَّ لَکَ اَلَّا تَجُوْعَ فِیْهَا وَلَا تَعْرٰی وَاَنَّکَ لَا تَظْمَؤُا فِیْهَا وَلَا تَضْحٰی (طٰہٰ ع۷) یعنی اے آدم! ہم نے تمہارے جنّت میں رکھے جانے کا فیصلہ کر دیا ہے تم اُس میں بھوکے نہیں رہو گے۔ تم اُس میں ننگے نہیں رہو گے۔ تم اُس میں پیاسے نہیں رہو گے۔ اور تم اُس میں رہنے کی وجہ سے دھوپ میں نہیں پھرو گے۔ لوگ اِس آیت سے غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے مراد اُخروی جنّت ہے۔ اور آیت کا یہ مطلب ہے۔ کہ جب انسان جنّت میں جائیگا تو وہاں اس کا یہ حال ہوگا۔ حالانکہ قرآن کریم سے صاف ظاہر ہے کہ آدمؑ اِسی دنیا میں پیدا ہوئے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (بقرہ ع۴) مَیں دنیا میں اپنا خلیفہ مقرر کرنیوالا ہوں۔ اور دنیا میں جو شخص پیدا ہوتا ہے۔ وہ بھوکا بھی ہو سکتا ہے۔ وہ پیاسا بھی ہو سکتا ہے۔ وہ ننگا بھی ہو سکتا ہے۔ وہ دھوپ میں بھی پھر سکتا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ دنیا میں تو پیدا ہو۔ اور بھوک اور پیاس اور لباس اور مکان کی ضرورت اُسے نہ ہو۔ اور جبکہ یہ آیت اِسی دنیا کے متعلق ہے۔ تو لازماً ہمیں اس کے کوئی اور معنے کرنے پڑیں گے۔ اور وہ معنے یہی ہیں کہ ہم نے اپنا پہلا قانون جو دنیا میں نازل کیا اُس میں ہم نے آدمؑ سے یہ کہدیا تھا۔ کہ ہم ایک ایسا قانون تمہیں دیتے ہیں کہ تجھ کو اور تیری امت کو جنّت میں داخل کر دیگا۔ اور وہ قانون یہ ہے کہ ہر ایک کے کھانے پینے لباس اور مکان کا انتظام کیا جائے۔ آئندہ تم میں سے کوئی شخص بھوکا نہیں رہنا چاہیئے۔ بلکہ یہ سوسائٹی کا کام ہونا چاہیئے۔ کہ ہر ایک کے لئے غذا مہیا کرے۔ آئندہ تم میں سے کوئی شخص ننگا نہیں رہنا چاہیئے۔ بلکہ یہ سوسائٹی کا کام ہونا چاہیئے کہ ہر ایک کے لئے کپڑا مہیا کرے۔ آئندہ تم میں سے کوئی شخص پیاسا نہیں رہنا چاہیئے۔ بلکہ یہ سوسائٹی کا کام ہونا چاہیئے۔ کہ وہ تالابوں اور کنوؤں وغیرہ کا انتظام کرے۔ آئندہ تم میں سے کوئی شخص بغیر مکان کے نہیں رہنا چاہیئے۔ بلکہ یہ سوسائٹی کا کام ہونا چاہیئے۔ کہ وہ ہر ایک کے لئے مکان مہیا کرے۔ یہ وہ پہلی وحی ہے جو دنیا میں نازل کی گئی۔ اور یہ وہ پہلا تمدّن ہے۔ جو حضرت آدم علیہ السلام کے ذریعہ دنیا میں قائم کیا گیا۔ اور اللہ تعالےٰ نے دنیا پر اس حقیقت کو ظاہر فرمایا کہ خدا سب کا خدا ہے۔ وہ امیروں کا بھی خدا ہے۔ وہ غریبوں کا بھی خدا ہے۔ کمزوروں کا بھی خدا ہے اور طاقتوروں کا بھی

خدا ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ دنیا کا ایک طبقہ تو خوشحالی میں اپنی زندگی بسر کرے اور دوسرا روٹی اور کپڑے کیلئے ترستا رہے۔

یہی وہ نظام تھا جو اسلام نے اپنے زمانہ میں دوبارہ قائم کیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ نظام جلدی مٹ گیا۔ مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ دنیا میں جتنے بڑے کام ہیں۔ اُن میں بھی یہی قانون پایا جاتا ہے۔ کہ وہ کئی لہروں سے اپنی بلندی کو پہنچتے ہیں۔ ایک دفعہ دنیا میں وہ قائم ہو جاتے ہیں۔ تو کچھ عرصہ کے بعد پرانے رسم ورواج کی وجہ سے مٹ جاتے ہیں۔ مگر دماغوں میں انکی یاد قائم رہ جاتی ہے۔ اور ایک اچھا بیج دنیا میں بویا جاتا ہے۔ اور ہر شریف اور منصف مزاج انسان تسلیم کرتا ہے کہ وہ چیز اچھی تھی مجھے دوبارہ اس چیز کو دنیا میں واپس لانا چاہیئے۔ پس گو یہ نظام ایک دفعہ مٹ گیا۔ مگر اب اُسی نظام کو دوبارہ احمدیت دنیا میں قائم کرنا چاہتی ہے۔ وہ ایک طرف حد سے زیادہ دولت کے اجتماع کو روکے گی۔ دوسری طرف غرباء کی ترقی کے سامان کریگی۔ اور تیسری طرف ہر شخص کے لئے کھانے پینے کپڑے اور مکان کا انتظام کریگی۔

خلاصہ یہ کہ اسلام کا اقتصادی نظام مبنی ہے :— (۱) دولت جمع کرنے کے خلاف وعظ پر۔ (۲) دولت حد سے زیادہ جمع کرنے کے محرکات کو روکنے پر (۳) جمع شدہ دولت کو جلد سے جلد بانٹ دینے یا کم کر دینے پر (۴) حکومت کے روپیہ کو غرباء اور کمزوروں پر خرچ کرنے اور اُن کی ضروریات کو مہیّا کرنے پر۔ اور یہی نظام حقیقی اور مکمل ہے۔ کیونکہ اس سے ۱) اُخروی زندگی کے لئے سامان بہم پہنچانے کا موقع ملتا ہے۔ (۲) سادہ اور مفید زندگی کی عادت پڑتی ہے (۳) جبر کا اس میں دخل نہیں ہے۔ (۴) انفرادی قابلیت کو کچلا نہیں گیا۔ (۵) باوجود اس کے غرباء اور کمزوروں کے آرام اور اُن کی ترقی کا سامان مہیّا کیا گیا ہے۔ (۶) اور پھر اس سے دشمنیوں کی بنیاد بھی نہیں پڑتی۔

کمیونزم

اِس نظام کے مقابلہ میں چونکہ کمیونزم کا نظام کھڑا کیا گیا ہے۔ اور اس پر خاص طور پر زور دیا جاتا ہے۔ اِس لئے میں اَب کچھ باتیں کمیونزم کے متعلق کہنا چاہتا ہوں۔

کمیونزم کا دعویٰ ہے کہ اوّل ہر اک سے اُس کی قابلیت کے مطابق کام لیا جائے۔ دوم ہر ایک کو اس کی ضرورت کے مطابق خرچ دیا جائے۔ سوم باقی روپیہ حکومت کے پاس رعایا کے وکیل (Trustee) کی صورت میں جمع رہے۔ اُن کی بنیاد اس امر پر ہے کہ تمام انسانوں میں مساوات ہونی چاہیئے۔ کیونکہ اگر ہر شخص کام کرتا ہے تو ہر شخص مساوی بدلہ کا مستحق ہے اور کوئی شخص زائد دولت اپنے پاس رکھنے کا حقدار نہیں اور اگر کسی شخص کے پاس زائد دولت ہو تو وہ اس سے لے لینی چاہیئے۔ یہ اُس کا اقتصادی نظریّہ ہے۔ اس نظریّہ کا ایک سیاسی ماحول بھی ہے۔ مگر چونکہ میرا مضمون سیاسی نہیں بلکہ اقتصادی ہے اِس لئے مَیں اُسے نہیں چھوتا۔

جہاں تک نتیجہ کا سوال ہے یہ بات بالکل درست ہے، کہ دنیا میں ہر انسان کو روٹی ملنی چاہیئے ہر انسان کو کپڑا ملنا چاہیئے ہر انسان کو رہائش کیلئے مکان ملنا چاہیئے۔ ہر انسان کے علاج کا سامان ہونا چاہیئے۔ ہر انسان کی تعلیم کی صورت ہونی چاہیئے۔ یعنی بنی نوع انسان کی ابتدائی حقیقی ضرورتیں بہرحال پوری ہونی چاہئیں اور کوئی شخص بھوکا یا پیاسا یا ننگا نہیں رہنا چاہیئے۔ اِسی طرح کوئی شخص ایسا نہیں ہونا چاہیئے جو بغیر مکان کے ہو جسکی تعلیم کی کوئی صورت نہ ہو۔ اور جسکے بیمار ہونیکی صورت میں اُسکے علاج کا کوئی سامان موجود نہ ہو۔ پس جہاں تک اس نتیجہ کا سوال ہے اسلام کی تعلیم کو اس سے کلی طور پر اتفاق ہے۔ وہ سو فیصدی اِس بات پر متفق ہے کہ پبلک کا اقتصادی نظام ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ اور اسلام کے نزدیک بھی وہی حکومت صحیح معنوں میں حکومت کہلا سکتی ہے جو ہر ایک کیلئے روٹی مہیّا کرے ہر ایک کیلئے کپڑا مہیّا کرے۔ ہر ایک کیلئے مکان مہیّا کرے۔ ہر ایک کی تعلیم کا انتظام کرے اور ہر ایک کے علاج کا انتظام کرے پس اس حد تک اسلام کمیونزم کے نظریّہ سے بالکل متفق ہے گو یہ فرق ضرور ہوگا کہ اگر کوئی شخص اپنی قابلیت کا اظہار کرنا چاہے تو کمیونزم کے ماتحت وہ نہیں کر سکتا کیونکہ اس میں انفرادی جدوجہد کا راستہ بالکل بند کر دیا گیا ہے۔

اِسلام اور کمیونزم میں ایک فرق

درحقیقت انفرادی آزادی ایک طرف انسانی قابلیت کی نشوونما کے لئے ضروری ہوتی ہے اور دوسری طرف موت کے بعد کی اعلیٰ زندگی

کا دار و مدار اقتصادیات میں انفرادی آزادی کے قیام پر ہے۔ مگر کمیونزم انفرادی جدوجہد کا دامنہ بند کرتی اور حریت شخصی کو مٹا دیتی ہے جو ایک بہت بڑا نقص ہے۔ یہ اختلاف ہے جو اسلام اور کمیونزم میں پایا جاتا ہے۔ مگر بہرحال نتیجہ سے اُسے کوئی اختلاف نہیں۔ روس نے اس نظریہ پر عمل کر کے جو اقتصادی پروگرام بنایا ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اُس نے اس میں خاص ترقی کی ہے۔ اور وہاں کے عام لوگوں کی مالی حالت یا یوں کہو۔ (گو کمیونسٹ اس سے متفق نہ ہوں) کہ یورپین حصہ کی مالی حالت آگے سے اچھی ہے۔ اور ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ کہ وہاں غرباء کو روٹی ملی۔ کپڑا ملا۔ مکان ملا۔ علاج کیلئے دوائیں میسر آئیں اور تعلیم کے لئے مدرسے اُن کے لئے کھولے گئے۔ پس جہاں تک روس کی کمیونسٹ پارٹی کے اس نتیجہ کا تعلق ہے۔ اسلامی روح اقتصادیات اس پر خوش ہی ہوگی۔ لیکن جیسا کہ اوپر کے بیان سے ظاہر ہے ذرائع اور بعض نتائج سے اسلام موافق نہیں ہو سکتا۔

کمیونزم پر مذہبی لحاظ سے بعض اعتراضات

میں چونکہ اسلام کی نمائندگی کر رہا ہوں۔ اس لئے سب سے پہلے میں کمیونسٹ اقتصادی نظام کے اُن حصوں کو لیتا ہوں۔ جو مذہب پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

سب سے پہلا اعتراض جو کمیونسٹ نظام پر مجھے اور ہر موت کے بعد کی زندگی کے ماننے والے کو ہونا چاہیئے یہ ہے۔ کہ اس میں شخصی طوعی جدوجہد جو زندگی کے مختلف شعبوں میں ظاہر ہو کر انسان کو اُخروی زندگی میں مستحق ثواب بناتی ہے۔ اُس کے لئے بہت ہی کم موقعہ باقی رکھا گیا ہے۔ بجائے اس کے کہ اُس سے ضروری حصہ دولت کا لے کر باقی حصہ کے خرچ کو اُس پر چھوڑا جائے کہ وہ اُسے جس رنگ میں چاہے صرف کرے۔ اُس کی خوراک اور رہائش کے سوا اُس کے پاس کچھ چھوڑا ہی نہیں گیا۔ کہ وہ اپنی اُخروی زندگی کے لئے بھی کوئی جدوجہد کرے۔ وہ روٹی کھا سکتا ہے۔ وہ کپڑا پہن سکتا ہے۔ وہ رہائش کے لئے مکان لے سکتا ہے۔ وہ اپنا علاج کرا سکتا ہے۔ وہ اپنی تعلیم سے بے فکر ہو سکتا ہے۔ مگر اُخروی زندگی کے لئے اُس کے پاس ایک پیسہ بھی چھوڑا نہیں جاتا۔ گویا اس کی چالیس پچاس سالہ زندگی کی تو فکر کی گئی ہے۔ مگر اس کے عقیدہ کے رو سے جو غیر متناہی زندگی آنیوالی تھی۔ اُس کو یونہی چھوڑ دیا گیا ہے۔ یہ ایک ایسی بات ہے جیسے کوئی شخص جو مذہب کی سچائی پر یقین رکھتا ہو۔ اور اُس کے احکام پر عمل کرنا اپنی نجات کے لئے ضروری سمجھتا ہو ایک لمحہ کے لئے

بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ مثلاً اسلام اُن مذاہب میں سے ہے۔ جو اپنے پیروؤں کو یہ حکم دیتا ہے کہ جاؤ اور دنیا میں تبلیغ کرو۔ جاؤ اور لوگوں کو اپنے اندر شامل کرو۔ کیونکہ دنیا کی نجات اسلام سے وابستہ ہے۔ وہ شخص جو اسلام سے باہر رہیگا نجات سے محروم رہیگا۔ اور اُخروی زندگی میں ایک مجرم کی حیثیت میں اللہ تع کے سامنے پیش ہوگا۔ تم ایک مسلمان کو یہ عقیدہ رکھنے کی وجہ سے پاگل کہہ لو۔ بے وقوف کہہ لو۔ جاہل کہہ لو۔ بہرحال جب تک وہ اسلام کی سچائی پر یقین رکھتا ہے۔ جب تک وہ بنی نوع انسان کی نجات صرف اسلام میں داخل ہونے پر ہی منحصر سمجھتا ہے اُس وقت تک وہ اپنا فرض سمجھتا ہے کہ مَیں اپنے ہر اُس بھائی کو جو اسلام میں داخل نہیں اسلام کا پیغام پہنچاؤں۔ اُسے تبلیغ کروں اور اُس پر اسلام کے محاسن اس عمدگی سے ظاہر کروں کہ وہ بھی اسلام میں داخل ہو جائے۔ آخر اگر یہ بنی نوع انسان کا خیر خواہ ہے۔ اگر یہ اُن کی بھلائی اور عاقبت کی بہتری کا خواہشمند ہے۔ تو یہ کسطرح ہو سکتا ہے۔ کہ یہ اُن کے سامنے اس پیغام کو پیش نہ کرے۔ جو اُس کے عقیدہ کے رو سے انسان کی دائمی حیات کے لئے ضروری ہے۔ اگر یہ اپنے دوست کے متعلق پسند نہیں کرتا کہ وہ گڑھے میں جا گرے۔ اگر یہ اپنے دوست کے متعلق پسند نہیں کرتا کہ دشمن اُسے گولی کا شکار بنائے۔ تو یہ کس طرح پسند کر سکتا ہے۔ کہ ابدالآباد کی زندگی میں وہ دوزخ میں ڈالا جائے اور خدا تعالیٰ کی جنّت اور اس کے قرب اور اس کی رضامندی سے محروم ہو جائے۔ چاہے تم کچھ کہہ لو۔ ایک مذہب سے وابستہ انسان کی انتہائی آرزو یہی ہوگی۔ کہ وہ اپنے بھائی کی اعتقادی اور عملی حالت کو درست کرے۔ لیکن کمیونسٹ نظام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ اُس کی جدوجہد کو اوّل تو سیاسی طور پر روکا جائیگا۔ چنانچہ ہمارا اپنا تجربہ اس کی تصدیق کرتا ہے۔ مَیں نے ایک احمدی مبلغ روس میں بھجوایا۔ مگر بجائے اس کے کہ اُسے تبلیغ کی اجازت دی جاتی اُسے قید کیا گیا۔ اُسے لوہے کے تختوں کے ساتھ نہایت سختی کے ساتھ باندھ کر اور کئی کئی دن بھوکا اور پیاسا رکھ کر مارا پیٹا گیا۔ اور اُسے مجبور کیا گیا کہ وہ سؤر کا گوشت کھائے۔ اور یہ مظالم برابر ایک لمبے عرصہ تک اُس پر ہوتے چلے گئے۔ (حضور نے اس موقعہ پر مولوی ظہور حسین صاحب مجاہد روس کو کھڑے ہونے کا حکم دیا۔ اور ارشاد فرمایا:-) یہ وہ صاحب ہیں جنہیں مبلّغ بنا کر بھیجا گیا تھا۔ دو سال دو ماہ کم ان کو تاشقند۔ عشق آباد اور ماسکو کے قید خانوں میں رکھا گیا۔ اور لوہے کے تختوں کے ساتھ

باندھ باندھ کر مارا گیا۔ اور انہیں بار بار مجبور کیا گیا۔ کہ سوٴر کا گوشت کھاؤ۔ یہاں تک کہ ان متواتر مظالم کے نتیجہ میں اُن کی دماغی حالت خراب ہو گئی۔ اس پر وہ انہیں ایران کی سرحد پر لا کر چھوڑ گئے۔ وہاں کے برطانوی سفیر نے گورنمنٹ آف انڈیا کو اطلاع دی اور گورنمنٹ آف انڈیا نے مجھے تار دیا۔ کہ آپ کے ایک مبلّغ کو روسی حکومت ایران کی سرحد پر لا کر چھوڑ گئی ہے۔ چنانچہ مَیں نے گورنمنٹ کو لکھا۔ کہ اس مبلغ کو آپ ہمارے پاس بھجوا دیں اور آپ کا جسقدر خرچ ہو وہ ہم سے وصول کریں۔ اس پر گورنمنٹ نے ان کو ہندوستان پہنچا دیا۔ پس یہ وہ ہمارے مبلغ ہیں جنہیں دو ماہ کم دو سال شدید ترین عذابوں میں مبتلا رکھا گیا۔ اور کسی ایک مرحلہ پر بھی ان کو مذہبی تبلیغ کی اجازت روس میں نہ دی گئی۔

پس اوّل تو وہ سیاسی طور پر تبلیغ کی اجازت نہیں دیتے۔ لیکن چونکہ یہ اقتصادی مضمون ہے اس لئے اسے نظر انداز بھی کر دو۔ تو سوال یہ ہے کہ ایک اقلّیت اکثریت کے مذہب کو بدلنے کے لئے کسقدر قربانی کے بعد لٹریچر وغیرہ مہیا کر سکتی ہے۔ مثلاً ہماری جماعت ہی کو لے لو۔ ہم اقلّیت ہیں۔ مگر ہم دنیا میں اسلام کو پھیلانا چاہتے ہیں۔ ہمارے آدمی اگر روس میں تبلیغ کرنے کیلئے جاتے ہیں۔ تو ہر شخص یہ آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے۔ کہ ۲۰ کروڑ رشین کو مسلمان بنانے کے لئے کتنے کثیر لٹریچر کی ضرورت ہے اور کتنا مال ہے جو اس جدوجہد پر خرچ آسکتا ہے۔ ہماری جماعت اس جدوجہد کو اسی صورت میں جاری رکھ سکتی ہے جب اسکی کمائی اس سے پوری نہ چھین لی جائے اور کھانے پینے اور پہننے کے علاوہ بھی اس کے پاس روپیہ ہو تا وہ اس سے ان ایسے اخراجات کو پورا کر سکے جنکو وہ اپنی اُخروی بھلائی کیلئے ضروری سمجھتی ہے۔ لیکن کمیونزم کا اقتصادی نظام تو کسی کے پاس زائد روپیہ رہنے ہی نہیں دیتا۔ کیونکہ وہ اس جدوجہد کو کام ہی نہیں سمجھتا۔ اسکے نزدیک مادی کام کام ہیں۔ لیکن مذہبی کام کام نہیں ہیں۔ وہ مشین چلانے کو کام سمجھتا ہے۔ وہ ہل چلانے کو کام سمجھتا ہے۔ وہ کارخانے میں کام کرنے کو کام سمجھتا ہے۔ لیکن خدائے واحد کے نام کی بلندی اور اسکے دین کی اشاعت کے کام کو وہ کام نہیں سمجھتا۔ کیونکہ وہ الہام کو نہیں مانتا۔ وہ شریعت کو نہیں مانتا۔ وہ مذہب کو نہیں مانتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہ مذہبی لوگ پاگل ہیں۔ اور اپنے وقت کو ضائع کر رہے ہیں۔ اسلئے ان مبلغوں کی خوراک یا لباس یا رہائش وغیرہ کی حکومت ذمہ وار نہیں ہو سکتی۔ حکومت اُن کی اسی صورت میں

ذمہ دار ہو سکتی ہے جب وہ کام کریں۔ جس کے معنی یہ ہوتے ہیں۔ کہ وہ مادی کام کریں۔ مذہبی اور روحانی کاموں سے دست بردار ہو جائیں۔ پس کمیونزم کے ماتحت اسلام روس میں اپنی اس جدوجہد کو جاری ہی نہیں کر سکتا۔ جاری رکھنا اور مسلسل جاری رکھتے چلے جانا تو الگ رہا۔ ایک مسلمان کے نزدیک خواہ وہ بھوکا رہے۔ مگر اخروی زندگی درست ہو جائے تو وہ کامیاب ہے۔ اور اپنے بھائی کے متعلق اس کا یہ نظریّہ ہے کہ اگر دنیا بھر کی دولت اس کے پاس ہو لیکن اُخروی زندگی اُس کو نہ ملے۔ ہدایت اُس کو میسّر نہ آئے خدا تعالےٰ کی رضا اُس کو حاصل نہ ہو۔ تو وہ ناکام ہے۔

جس شخص کا یہ عقیدہ ہو اس کی خیر خواہی اُسے مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنے گمراہ بھائی کی اخروی زندگی کیلئے سامان مہیّا کرے۔ مگر اُس سے اُس کا سارا مال لے لیا جاتا ہے یہ کہہ کر کہ ہم وطن کی جان بچاتے ہیں اور اُسکی رُوح کو مرنے دیا جاتا ہے۔ جہاں تک روٹی اور کپڑا اور مکان مہیّا کرنے کا سوال تھا۔ جہاں تک تعلیم مہیّا کرنے کا سوال تھا۔ جہاں تک علاج مہیّا کرنے کا سوال تھا ہم اسلامی تعلیم کے ماتحت اُن سے متفق تھے۔ اور ہم سمجھتے تھے۔ کہ اس قدر ٹیکس ضرور لگنا چاہیئے۔ کہ دنیا میں ہر فرد کو یہ تمام ضروریات میسّر آجائیں۔ مگر یہاں تو دوسرا نقطہ یہ بھی ہے کہ اپنی روٹی کپڑے سے زائد سب کچھ حکومت کو دے دو۔ اور اپنے عقیدہ کی اشاعت میں کوئی حصّہ نہ لو۔ گویا ہم نے تو اُن کی تائید کی اور اس لئے کی کہ ہمارا مذہب بھی یہی تعلیم دیتا ہے۔ مگر انہوں نے بجائے مذہب کا شکر گذار ہونے کے اور اُس کی اشاعت کی اجازت دینے کے یہ کہدیا کہ ہم خدا اور اس کے رسول کا نام پھیلانے کی تمہیں اپنے ملک میں اجازت نہیں دے سکتے۔ یہ بیکاری اور قوم پر بوجھ بن کر بیٹھ جانا ہے۔ اگر کمیونسٹ یہ کہتے کہ ہم مذہب کے مخالف ہیں اور اُسے غیر ضروری قرار دیتے ہیں۔ تو گو پھر بھی ہمیں اختلاف ہوتا۔ مگر ہمیں افسوس نہ ہوتا۔ ہم سمجھتے کہ جو کچھ ان کا دل میں عقیدہ ہے اسی کو اپنی زبان سے ظاہر کر رہے ہیں۔ مگر ہمیں افسوس ہے تو یہ کہ کمیونسٹ یہ بات ظاہر نہیں کرتے۔ وہ کھلے بندوں یہ نہیں کہتے کہ ہم اپنے نظام کے ماتحت تمہارے مذہب کو اپنے ملک میں پھیلنے کی اجازت نہیں دے سکتے بلکہ وہ گھر کے پچھلے دروازہ سے گھر میں گھسنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اکثر مذہب کے ماننے والے اُسوقت اُن کی اس چالاکی سے واقف ہوتے ہیں جبکہ وہ اپنی شخصیّت کھو چکے ہوتے ہیں۔ اور کمیونزم سے انکی ہمدردی

اور محبت اتنی بڑھ چکی ہوتی ہے۔ کہ اُن کی آنکھوں پر پٹی بندھ جاتی ہے۔ کمیونزم اگر کھلے بندوں کہے۔ کہ ہم اخروی زندگی کو کوئی قیمت نہیں دیتے۔ ہم اُس کے پرچارک کے لئے کوئی سامان تمہارے پاس نہیں چھوڑنا چاہتے۔ تو آنکھوں کھلے لوگ اُس میں داخل ہوں۔ مگر دوسرے ممالک میں اِس حصہ کو پوری طرح مخفی رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ کمیونزم صرف ایک اقتصادی نظام ہے مذہب سے اِس کا کوئی ٹکراؤ نہیں۔ حالانکہ مذہب نام ہے تبلیغ کرنے کا۔ مذہب نام ہے ایک دوسرے کو خدا تعالےٰ کے احکام پہنچانے کا۔ خواہ یہ تقریر کے ذریعہ ہو یا تحریر کے ذریعہ ہو۔ لٹریچر کے ذریعہ ہو یا کتابوں کے ذریعہ ہو۔ مگر کمیونزم تو کسی انسان کے پاس کوئی زائد روپیہ چھوڑتا ہی نہیں۔ پھر ایک مذہبی آدمی ٹریکٹ کسطرح چھپوائے۔ اور کتابیں کس طرح ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیلائے۔ اِس پابندی کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا ہے۔ کہ مذہب کی اشاعت رُک جائے اور لامذہبیت کا دور دورہ ہو جائے۔

دین کیلئے زندگی وقف کرنے میں کمیونسٹ نظام کی روکیں

اب اس سوال کا دوسرا پہلو لے لو۔ ہر مسلمان یہ کہتا ہے۔ کہ مَیں روپیہ نہیں مانگتا۔ لیکن میں اسلام کی خدمت کے لئے اپنی زندگی وقف کر دیتا ہوں۔ وہ کہتا ہے کہ میں سارے روس میں پھرونگا اور اپنے خیالات اُن لوگوں پر ظاہر کرونگا۔ میں گاؤں بہ گاؤں اور قصبہ بہ قصبہ اور شہر بہ شہر جاؤں گا۔ اور لوگوں کو اسلام میں داخل کرنے کی کوشش کرونگا۔ سوال یہ ہے کہ کیا کمیونسٹ گورنمنٹ ایک مسلمان کو اپنی زندگی وقف کرنے اور اسلام کی اشاعت کے لئے اپنے ملک میں پھرنے کی اجازت دیگی۔ یا جبراً اُسے اس کام سے روکیگی۔ اور اُسے جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں محبوس کر دیگی۔ یقیناً اس کا ایک ہی جواب ہے کہ کمیونسٹ گورنمنٹ اُسے جبراً اس کام سے روکیگی۔ اُسے دین اور مذہب کا کام نہیں کرنے دیگی۔ اُسے قید خانہ میں بند کر دیگی۔ اور اُسے کہے گی۔ کہ یا تو کوئی اور کام کرو۔ ورنہ یاد رکھو اس قسم کے کام کے ساتھ تمہیں روٹی اور کپڑا نہیں مل سکتا۔ گویا خدا کے لئے میرا اپنی زندگی کو وقف کر دینا۔ میرا قرآن کی تعلیم کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دینا۔ میرا حدیث کی تعلیم کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دینا جس کے بغیر میرے عقیدہ کے رو سے میری اُخروی زندگی سدھر ہی نہیں سکتی کمیونزم کے

نزدیک نکماپن ہے۔ یہ بیکاری اور وقت کا ضیاع ہے۔ کمیونسٹ حکومت اسلام کی اشاعت کے لئے اپنی زندگی وقف کرنے والے کو کہیگی کہ اگر تم نے مذہب کی اشاعت کا کام کیا۔ تو یاد رکھو یا تو تمہیں قید کر دیا جائے گا اور یا تمہاری روٹی اور کپڑا بند کر دیا جائیگا۔ حالانکہ قرآن کریم اس قسم کے افراد کی جماعت کو قومی لحاظ سے نہایت ضروری قرار دیتا ہے۔ اور مذہب کو ماننے والے اس امر کے قائل ہیں کہ ایک حصہ ان کے افراد کا پوری طرح مذہبی نظام کے قیام کے لئے فارغ ہونا چاہیئے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران ع ۱۱) یعنی اے مسلمانو! تم میں سے ایک جماعت پورے طور پر مذہبی نگرانی کے لئے دنیوی کاموں سے فارغ ہونی چاہیئے۔ اور اس جماعت کے افراد کا یہ کام ہونا چاہیئے۔ کہ وہ نیک باتوں کی طرف لوگوں کو بلائیں عمدہ باتوں کی تعلیم دیں اور برے اخلاق سے لوگوں کو روکیں۔ پس اسلامی تعلیم کے ماتحت ایک حصہ کلی طور پر اس غرض کیلئے وقف ہونا چاہیئے۔ یہ صحیح بات ہے کہ اسلام زندگی وقف کرنے والوں کو کوئی خاص حقوق نہیں دیتا۔ مگر اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ایک خاص کام ان کے سپرد کرتا ہے۔ اسلام پادریت (Priest Hood) کا قائل نہیں۔ مگر وہ مذہبی نظام کا ضرور قائل ہے۔ عیسائیت تو جن لوگوں کے سپرد تبلیغ کا کام کرتی ہے انکو دوسروں سے بعض زائد حقوق بھی دے دیتی ہے۔ مگر اسلام کہتا ہے کہ ہم ان لوگوں کو کوئی زائد حق نہیں دیں گے جو دین کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کریں گے لیکن یہ ضرور ہے کہ زندگی وقف کرنے والے کے سپرد خاص طور پر یہ کام ہوگا کہ وہ اسلام کو پھیلائے اور تبلیغی یا تربیتی نقطہ نگاہ سے ہر وقت اسلام کی خدمت کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا مقصد سمجھے۔ اس قسم کے لوگوں کی نفی کر کے نظام اسلام کبھی باقی نہیں رہ سکتا۔ آخر ایک تفصیلی آئین بغیر اس کے ماہروں اور بغیر اس کے مبلغوں کے کس طرح چل سکتا ہے۔ اسلام وہ مذہب ہے۔ جو دنیا کے تمام مذاہب میں سے سب سے زیادہ مکمل ہے اور وہ ایک وسیع اور کامل آئین اپنے اندر رکھتا ہے۔ وہ عبادات کے متعلق بھی تعلیم دیتا ہے۔ وہ اقتصادیات کے متعلق بھی تعلیم دیتا ہے۔ وہ سیاسیات کے متعلق بھی تعلیم دیتا ہے۔ وہ آقا اور ملازمین کے حقوق کے متعلق بھی تعلیم دیتا ہے۔ وہ معلم اور متعلم کے متعلق بھی تعلیم دیتا ہے۔ وہ میاں اور بیوی کے حقوق کے متعلق بھی تعلیم دیتا ہے۔ وہ تجارت اور لین دین کے معاملات کے متعلق بھی تعلیم دیتا ہے۔

وہ ورثہ کے متعلق بھی تعلیم دیتا ہے۔ وہ بین الاقوامی جھگڑوں کے متعلق بھی تعلیم دیتا ہے۔ وہ قضاء کے متعلق بھی تعلیم دیتا ہے۔ غرض ہزاروں قسم کی تعلیمیں اور ہزاروں قسم کے قانون ہیں۔ جو اسلام میں پائے جاتے ہیں اور اُن میں سے ایک ایک امر مکمل تعلیم اور کامل معلّموں کو چاہتا ہے۔ جو رات دن اِسی کام میں لگے رہیں جب تک اس تفصیلی آئین کو سکھانے والے لوگ اسلام میں موجود نہیں ہونگے۔ لوگ سیکھیں گے کیا۔ اور کس سے۔ اور اسلام پر مسلمان عمل کس طرح کرینگے۔ اور اسلام دنیا میں پھیلیگا کس طرح۔

تفسیر کا علم خود ایک مکمل علم ہے۔ جب تک مفسر نہ ہو یہ علم زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور مفسر بننے کیلئے سالہا سال تک تفاسیر کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ لغت کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ صرف و نحو کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ احادیث کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ پھر پُرانی تفاسیر کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ دوسرے مذاہب کی کتب اور انکی تاریخ خصوصاً تاریخ عرب اور تاریخ بنی اسرائیل اور بائبل کے مطالعہ کی ضرورت ہے۔ بغیر ان باتوں کے جاننے کے کوئی شخص قرآن کریم کے مطالب کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکتا۔ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ براہ راست کسی کو سمجھائے۔ مگر ایسے آدمی دنیا میں کتنے ہوتے ہیں صدیوں میں کوئی ایک آدھ ایسا پیدا ہوتا ہے باقی تو کسب سے جو تقویٰ کے ساتھ ہو یہ مرتبہ حاصل کر سکتے ہیں لیکن کمیونسٹ تو اس کام کو کام ہی نہیں سمجھتے۔ وہ کسی کو قرآن کریم اور تفسیر اور عربی بارہ سال تک پڑھنے اور پھر دوسروں کو پڑھانے کا موقعہ کب دے سکتے ہیں۔ وہ تو ایسے شخص کو یا قید کر دیں گے یا اس کا کھانا پینا بند کر دینگے کہ وہ نکمّا اور قوم پر بوجھ ہے۔ اِسی طرح حدیث کا علم بھی علاوہ درجنوں حدیث کی کتب کے اور درجنوں اُن کی تشریحات کی کتب کے اور اس کے ساتھ لغت اور صرف و نحو اور اسماء الرجال کی کتب پر مشتمل ہے بغیر حدیث کے علم کے مسلمانوں کو اسلام کی تفصیلات کا علم ہی نہیں ہو سکتا۔ اور بغیر اس علم کے ماہرین کے جو اپنی عمر اس علم کے حصول میں خرچ کریں مسلمانوں میں اس علم کی واقفیت پیدا ہی نہیں ہو سکتی مگر کمیونزم تو اس علم کے پڑھنے کو بھی لغو اور فضول اور بیکار قرار دیتی ہے۔ وہ اس علم کے پڑھنے اور پڑھانے والوں کو اپنی عمر اس علم کے حصول میں قطعاً خرچ نہ کرنے دیگی۔ یا ایسے آدمی کو قید کریگی یا اُسے فاقوں سے ماریگی۔ کیونکہ وہ اس کے نزدیک بیکار وجود ہے اور قوم پر بار۔ مگر مسلمان بغیر اس علم کے ماہرین کے اپنے دین سے

نہ واقف ہو سکتے ہیں نہ اس پر کاربند ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح علمِ فقہ۔ علمِ قضا۔ علمِ تاریخ اسلام۔ علمِ تصوف۔ علمِ معاشِ اسلامی۔ علم اقتصاد اسلامی ایسے علوم ہیں کہ اُن کے جاننے والوں کے بغیر اسلامی جماعت کو جہاں تک اسلام کا تعلق ہے زندہ نہیں رکھا جا سکتا۔ مگر کمیونزم نہ اِن علوم کے پڑھانے والوں کو اپنے ملک میں رہنے دے سکتی ہے۔ اور نہ پڑھنے والوں کو۔ کیونکہ وہ ان لوگوں کو بیکار قرار دے کر ان کے لئے گذارہ کی صورت پیدا نہیں کرتی۔ اور عوام کے پاس سوویٹ اقتصادیات کے ماتحت اسقدر روپیہ نہیں ہو سکتا کہ وہ ان لوگوں کے گذارہ کی خود صورت پیدا کریں جیسا کہ ہندوستان چین۔ عرب وغیرہ ممالک میں مسلمان اسلامی علماء اور طلباء کے گذارہ کی صورت پیدا کر رہے ہیں۔ حق یہ ہے کہ اسلام اور دیگر مذاہب اور کمیونزم کا کام کی تشریح میں سخت اختلاف ہے۔

اسلام اور کمیونزم کا کام کی تشریح میں اختلاف

ہمارے نزدیک جو شخص مشین چلا رہا ہے وہ بھی کام کر رہا ہے اور جو شخص مذہب پھیلا رہا ہے وہ بھی کام کر رہا ہے۔ اور جو مذہب کی تعلیم دے رہا ہے۔ وہ بھی کام کر رہا ہے اور جو مذہب کی تعلیم حاصل کر رہا ہے وہ بھی کام کر رہا ہے۔ مگر اُن کے نزدیک جو شخص مشین چلاتا ہے۔ وہ تو کام کرنے والا ہے۔ مگر جو شخص مذہب پڑھتا یا پڑھاتا یا پھیلاتا ہے وہ نکما اور بے کار ہے۔ اُن کے نزدیک لوگوں کو الفؔ اور باءؔ سکھانا کام ہے مگر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اگر لوگوں کو سکھایا جائے تو یہ کام نہیں۔ بلکہ نکما پن ہے۔ پس گو لفظاً ہم اُن سے متفق ہیں اور ہم بھی یہی سمجھتے ہیں کہ کام کرنے والا ہی روٹی کا مستحق ہونا چاہیئے مگر اس امر میں ہم ہرگز اُن سے متفق نہیں ہیں کہ جب تک ایک کمیونسٹ کسی کام کی تصدیق نہ کرے وہ کام ہی نہیں ہے۔ کمیونسٹ کے نزدیک اُخروی زندگی کے لئے کام کام نہیں بلکہ وقت کا ضیاع ہے۔ اُس کے نزدیک قرآن پڑھانے والا وقت ضائع کر رہا ہے۔ حدیث پڑھانے والا وقت ضائع کر رہا ہے۔ فقہ پڑھانے والا وقت ضائع کر رہا ہے۔ اصول فقہ پڑھانے والا وقت ضائع کر رہا ہے۔ تفسیر پڑھانے والا وقت ضائع کر رہا ہے۔ تصوف پڑھانے والا وقت ضائع کر رہا ہے۔ لوگوں کو اخلاق کا درس دینے والا وقت ضائع کر رہا ہے۔ ایک مسلمان کے نزدیک یہ اُس کی جان سے زیادہ قیمتی اشیاء ہیں۔ اور اِن علوم کو زندہ رکھنے اور پھیلانے کے لئے ہزاروں انسانوں کی ضرورت ہے۔ صرف روس میں کہ جہاں مسلمان تین کروڑ ہیں کم سے کم پچاس ہزار علماء اور اتنے ہی طلباء چاہئیں

جو آئندہ اُنکی جگہ ہیں۔ مگر کمیونزم نظام کے نزدیک یہ تمام لوگ جو قرآن پڑھانے والے۔ حدیث پڑھانے والے۔ تفسیر پڑھانے والے۔ تصوّف پڑھانے والے۔ فقہ پڑھانے والے۔ اصول فقہ پڑھانے والے یا اخلاق کا درس دنیا کو دینے والے ہیں خون کو چوس لینے والے اور قوم کو تباہ کر دینے والے کیڑے ہیں۔ یہ نکمّے اور نالائق وجود ہیں۔ یہ اپنی قوم پر بار ہیں۔ اور یہ لوگ اس قابل ہیں کہ اِن کو جلد سے جلد دنیا سے مٹا دیا جائے۔

اب دیکھو ہمارے نظریہ اور ان کے نظریہ میں کتنا بڑا فرق ہے۔ اور اس مشرق و مغرب کے اسقدر بُعد کو کسطرح دُور کیا جا سکتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض لوگ دھوکے باز بھی ہوتے ہیں۔ اور وہ دین کی خدمت کا دعویٰ کر کے اپنے اعمال اس کے مطابق نہیں بناتے۔ مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ وہ شخص جو دین کی سچی خدمت کر رہا ہو۔ جو اسلام کی اشاعت کے لئے اپنی زندگی کو قربان کر رہا ہو۔ ہم اُسے اپنا سردار سمجھتے ہیں۔ اُسے قومی زندگی کے لئے بمنزلہ رُوح سمجھتے ہیں۔ اور ہم اُسے اپنا بڑے سے بڑا محسن سمجھتے ہیں۔ مگر کمیونسٹ ایسے لوگوں کو ادنیٰ سے ادنیٰ اور ذلیل سے ذلیل تر وجود قرار دیتے ہیں۔ وہ اُن کو نکمّا اور قوم کا غدّار سمجھتے ہیں۔ اور اُن کے نزدیک یہ لوگ اس قابل ہیں کہ یا تو ان کو قید کر دیا جائے اور یا اپنے ملک سے باہر نکال دیا جائے۔

کمیونسٹ نظام میں انبیاء علیہم السلام کا درجہ

اس تفصیل کے ماتحت کمیونزم نظام میں وہ شخص جس کے پیروں کی مَیل کے برابر بھی ہم دنیا کے بڑے سے بڑے بادشاہ کو نہیں سمجھتے جس کیلئے ہم میں سے ہر شخص اپنی جان کو قربان کرنا اپنی انتہائی خوش بختی اور سعادت سمجھتا ہے یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم جو رات اور دن خدا کی باتیں سنا کر بنی نوع انسان کی روح کو روشن کیا کرتے تھے اسی طرح مسیحؑ۔ موسیٰؑ۔ ابراہیمؑ۔ کرشنؑ۔ رام چندر۔ بودھ۔ زرتشت۔ گورو نانکؒ۔ کنفیوشسؑ یہ سب کے سب نعوذ باللہ نکمّے اور قوم پر بار تھے اور ایسے آدمیوں کو ان کے قانون کے ماتحت یا تو فیکٹریوں میں کام کے لئے بھجوا دینا چاہیئے تاکہ اُن سے جُوتے بنوائے جائیں۔ یا اُن سے بوٹ اور گرگابیاں تیار کرائی جائیں یا اُن سے کپڑے سلائے جائیں۔ یا انکو لوگوں کے بال کاٹنے پر مقرر کیا جائے اور اگر یہ لوگ اس قسم کا کام کرنے کے لئے تیار نہ ہوں۔ تو پھر اُن کا کھانا پینا بند کیا جانا چاہیئے۔ کیونکہ اُن کے نزدیک یہ لوگ نکمّے اور قوم پر بار ہیں۔ کمیونسٹ نظام تصویر بنانے کو کام قرار دیتا ہے۔ وہ سٹیچو (Statue) بنانے کو کام قرار دیتا ہے

مگر وہ روح کی اصلاح کو کوئی کام قرار نہیں دیتا۔ بلکہ اُسے نکما پن سمجھتا ہے۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ روٹی ہی انسان کا پیٹ نہیں بھرا کرتی۔ اور صرف غذا ہی اس کے اطمینان کا موجب نہیں ہوتی۔ بلکہ ہزاروں ہزار انسان دنیا میں ایسے پائے جاتے ہیں۔ کہ اگر اُن کو عبادت سے روک دو۔ تو وہ کبھی بھی چین نہیں پائیں گے۔ خواہ اُن کی غذا اور لباس کا کسقدر خیال رکھا جائے۔

کمیونزم کا کام کے متعلق عجیب و غریب نظریہ

تعجب ہے کہ کمیونسٹ نظام چھ گھنٹہ فیکٹریوں میں کام کر کے سینما اور ناچ گھروں میں جانے والے اور شراب میں مست رہنے والے کو کام کرنے والا قرار دیتا ہے۔ وہ فوٹوگرافی اور میوزک کو کام قرار دیتا ہے۔ مگر وہ روح کی درستی اور اخلاق کی اصلاح کو کوئی کام قرار نہیں دیتا۔ پچھلے دنوں مارشل مالی نووسکائی (Moli Noosky) سے کسی نے پوچھا۔ کہ آپ کے لڑکے کس کام میں دلچسپی لیتے ہیں۔ تو اُس نے ہنستے ہوئے کہا۔ کہ :۔

"They are intrested in Photography, Music and Keeping rabbits."

گویا کمیونزم نظام میں ایک پندرہ سال کا بچہ جو فوٹوگرافی میں اپنے وقت کو گذار دیتا ہے۔ جو میوزک میں دن رات مشغول رہتا ہے۔ جو خرگوشوں کو پال پال کر اُن کے پیچھے بھاگتا پھرتا ہے۔ وہ تو کام کرنے والا ہے اور اس بات کا مستحق ہے کہ اُسے روٹی دی جائے۔ لیکن محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مسیحؑ موسیٰؑ۔ کرشنؑ بدھؑ۔ زرتشتؑ۔ گورونانکؒ یہ اگر خدا کے نام کو دنیا میں پھیلاتے ہیں۔ تو وہ جاہل کہتے ہیں کہ یہ (نعوذ باللہ من ذالک) پیراسائیٹس (Parasites) ہیں۔ یہ سوسائٹی کو ہلاک کرنیوالے جراثیم ہیں۔ یہ اس قابل نہیں ہیں کہ اُن کو کام کرنے والا قرار دیا جائے۔ حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دن کو بھی کام کیا اور رات کو بھی کام کیا۔ انہوں نے دن کو دن نہیں سمجھا اور راتوں کو رات نہیں سمجھا۔ تعیش کو انہوں نے اپنے اوپر حرام کر لیا۔ اور اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے بنی نوع انسان کی علمی اور اخلاقی اور روحانی اصلاح کیلئے کام کیا۔ مگر یہ لوگ اُن کے نزدیک نکمے اور قوم پر بار تھے۔ وہ سینما میں اپنے رات اور دن بسر کرنے والے تو کام کرنے والے ہیں اور یہ لوگ جو دن کو بنی نوع انسان کی اصلاح کا کام کرتے اور راتوں کو اٹھ اٹھ کر اللہ تعالےٰ کی عبادت کرتے یہ کوئی کام کرنے والے نہیں تھے۔ وہ لوگ جو مظلوموں کی مدد کیا کرتے تھے جو اخلاق کو

درست کیا کرتے تھے۔ جو ہر قسم کی تکالیف برداشت کر کے دنیا میں نیکی کو پھیلاتے اور بدی کو مٹاتے تھے وہ تو نکمے تھے۔ اور یہ سینما میں جانے والے اور شرابیں پی پی کر ناچنے والے اور بانسریاں منہ کو لگا کر ہیں ہیں کرنیوالے کام کرنے والے ہیں۔

سچے مسلمان کیلئے غیرت کا مقام

غرض جہاں تک واقعات کا سوال ہے کمیونسٹ نظام میں ان لوگوں کی کوئی جگہ نہیں۔ میں دوسری دنیا کو نہیں جانتا۔ مگر میں اپنے متعلق یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ نظام جس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ نہیں۔ خدا کی قسم اس میں میری بھی جگہ نہیں۔ ہم اسی ملک کو اپنا ملک اور اسی نظام کو اپنا نظام سمجھتے ہیں جس میں ان لوگوں کو پہلے جگہ ملے اور بعد میں ہمیں جگہ ملے۔ وہ ملک اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بند ہے تو یقیناً ہر سچے مسلمان کیلئے بھی بند ہے۔ وہ حقیقت پر پردہ ڈال کر مذاہب پر عقیدت رکھنے والوں کو اس نظام کی طرف لا سکتے ہیں۔ مگر حقیقت کو واضح کر کے کبھی نہیں لا سکتے۔ کمیونسٹ کہہ دیا کرتے ہیں۔ کہ ہم کسی مذہب کے خلاف نہیں ہیں مگر جیسا کہ میں نے اوپر بتایا ہے۔ یہ بات درست نہیں۔ وہ لفظاً خلاف نہیں لیکن عملاً خلاف ہیں۔ اور جبکہ حالات یہ بتا رہے ہیں کہ وہ مذہب کی کوئی حیثیت تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تو یہ کہنا کہ ہم مذہب کے خلاف نہیں ہیں جھوٹ نہیں تو اور کیا ہے۔

مذہبی تعلیم میں روک ڈالنے کیلئے مختلف ذرائع کا استعمال

اس سلسلہ میں ضمناً یہ بات بھی کہے جانیکے قابل ہے۔ کہ روس میں مذہبی تعلیم میں روک ڈالی جاتی ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ ماں باپ کا یہ ہرگز حق نہیں کہ وہ اپنے بچوں کو مذہبی باتیں سکھائیں اور پیدا ہوتے ہی اس کے کانوں میں ایسی باتیں ڈالنی شروع کر دیں جن کے نتیجہ میں وہ مذہب کی طرف مائل ہو جائے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ بچے پر کتنا بڑا ظلم ہے کہ اسے پیدا ہوتے ہی ایک مسلمان اسلام کی طرف مائل کرنا شروع کر دیتا ہے۔ ایک ہندو ہندو مذہب کی طرف مائل کرنا شروع کر دیتا ہے اور ایک عیسائی عیسائی مذہب کی طرف مائل کرنا شروع کر دیتا ہے۔ انصاف کا طریق یہ ہے کہ جب بچہ پیدا ہو تو بلوغت تک اسے مذہب کی کوئی بات سکھائی نہ جائے۔ دوسری طرف ہم بھی اسے کوئی بات نہیں بتائیں گے۔ جب وہ بڑا ہو گا۔ تو خود بخود فیصلہ کر لیگا کہ اسے کونسا طریق اختیار کرنا چاہیئے۔ اب بظاہر یہ ایک منصفانہ طریق نظر آتا ہے۔ مگر حقیقت یہ بڑا بھاری ظلم اور تشدد ہے۔ اس لئے کہ اسلام یا عیسائیت یا ہندومت یہ سب مثبت مذاہب ہیں۔

یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ فلاں فلاں چیز کا وجود ہے۔ لیکن دہریہ یہ کہتے ہیں۔ کہ اس چیز کا وجود نہیں ہے۔ اب یہ سیدھی بات ہے کہ سکھانے کی تو مثبت والے کو ضرورت ہوتی ہے منفی والے کو کیا ضرورت ہے۔ پس یہ مساوات نہیں بلکہ دھوکے بازی اور فریب کاری ہے۔ جب وہ کہتے ہیں۔ کہ بچوں کو تم بھی کچھ نہ سکھاؤ اور ہم بھی کچھ نہیں سکھائیں گے۔ تو دوسرے لفظوں میں اس کے معنے یہ ہوتے ہیں۔ کہ ہم تو سکھائیں گے۔ مگر تمہاری کوئی بات بچے کو سیکھنے نہیں دینگے۔ اب بتاؤ کیا کوئی بھی معقول آدمی اس بات کو تسلیم کر سکتا ہے کہ یہ منصفانہ طریق ہے۔ یہ تو صریح یک طرفہ طریق ہے۔ اور ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص کسی کے باپ کے پاس جائے اور اُسے کہے کہ آپ بچے کو یہ نہ بتائیں کہ میں تمہارا باپ ہوں اور میں اُسے یہ نہیں کہونگا کہ آپ اُس کے باپ نہیں ہیں۔ اب بتاؤ اُس کے نتیجہ میں بچہ کیا سیکھیگا۔ یہی سمجھیگا کہ وہ اس کا باپ نہیں ہے۔ یا ایک شخص مدرسہ میں جاکر استاد سے کہے کہ آپ بچے کو یہ نہ بتایئے کہ یہ الف ہے اور میں اُسے یہ نہیں کہونگا کہ یہ الف نہیں۔ آپ بچے کو یہ نہ بتایئے کہ یہ با ہے اور میں اُسے یہ نہیں کہونگا کہ یہ با نہیں۔ بتاؤ اس کے نتیجہ میں الف با کا علم پیدا ہوگا یا جہالت پیدا ہوگی۔ یا ایک شخص کسی کے پاس جائے اور کہے کہ تم بچے کو یہ نہ بتاؤ کہ امریکہ ایک ملک ہے اور میں اُسے یہ نہیں کہونگا۔ کہ امریکہ ملک نہیں ہے۔ اس کا نتیجہ آخر کیا ہوگا۔ یہی ہوگا کہ اُسے امریکہ کا علم نہیں ہوگا۔ غرض کوئی بھی معقول آدمی اس سودے کو انصاف کا سودا نہیں کہہ سکتا۔ اور اسکی وجہ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں یہ ہے کہ مذہب مثبت ہے اور دہریت اگناسٹزم ہے۔ یعنی نہ جاننے کا دعوےٰ۔ تعلیم کی نفی کی صورت میں اگناسٹک کا مدعا پورا ہوگیا۔ اور نقصان صرف مثبت والے کو ہوا۔ پس یہ مساوات نہیں بلکہ دھوکے بازی ہے۔ اسلام وہ مذہب ہے جو دنیا کے سامنے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (العلق ع۱) ہم انسان کو قرآن کریم کے ذریعہ وہ علوم سکھائیں گے جن کو وہ اس سے پہلے نہیں جانتا تھا۔ پس جبکہ اسلام دعویٰ ہی یہ کرتا ہے۔ کہ ہم وہ علوم تمہیں بتائیں گے جو اس سے پہلے تم نہیں جانتے تھے۔ تو اگر تم کسی کو وہ علوم بتانے ہی نہیں دوگے تو تم ایک مسلمان کے برابر کس طرح ہوگئے۔ تم تو اُس بے علم کو اس حالت میں لے گئے۔ جو اسلام سے پہلے زمانۂ جاہلیت کی حالت تھی۔ اور مسلمان کو اس کے کام سے محروم کر دیا۔ اسی طرح بعض اور بھی سوالات ہیں جو اسجگہ پیدا ہوتے ہیں۔ مگر چونکہ میں اسوقت اُن سیاسی۔ علمی

اور مذہبی سوالوں کو جو اقتصادیات سے جُدا ہیں نہیں چھوڑ رہا۔ اِس لئے میں اُن کا ذکر نہیں کرتا۔

مکمل مساوات ناممکن ہے

کمیونسٹ اقتصادیات کا جو اثر مذاہب پر پڑتا ہے۔ اُس کی خرابیاں بتانے کے بعد اَب میں یہ بتاتا ہوں۔ کہ یہ نظام عقلاً بھی ناقص ہے۔ پوری مساوات کوئی شخص کر ہی نہیں سکتا۔ صرف روپیہ ہی تو انسان کی خوشی کا موجب نہیں ہوتا۔ نہ صرف روٹی اس کا پیٹ بھرتی ہے۔ مگر پھر بھی سوال یہ ہے۔ کہ کیا ہر شخص ایک سی روٹی کھاتا ہے۔ کیا ہر شخص ایک سا مزہ کھانے سے حاصل کر سکتا ہے۔ کیا ہر شخص کی نظر ایک سی ہے۔ کیا ہر شخص کی صحت ایک سی ہے اور کیا ان امور میں مساوات پیدا کی جا سکتی ہے۔ یہ چیزیں ہی تو انسان کا آرام بڑھانے کا موجب ہوتی ہیں۔ ذہنی قابلیتیں کسقدر تسلّی کا موجب ہوتی ہیں۔ مگر دنیا میں کیا کوئی گورنمنٹ ان ذہنی قابلیتوں میں مساوات پیدا کر سکتی ہے۔ رشتہ داروں کی حیات انسان کے اطمینان قلب کا کسقدر موجب ہوتی ہے۔ مگر کیا کوئی رشتہ داروں کی زندگی کا بیمہ لے سکتا ہے۔ کیا کوئی گورنمنٹ کہہ سکتی ہے کہ میں اس رنگ میں مساوات قائم کرونگی۔ کہ آئیندہ تیری بیوی بھی اتنے سال زندہ رہیگی۔ اور فلاں شخص کی بیوی بھی اتنے سال زندہ رہیگی۔ یا زید کے بھائی بھی اتنا عرصہ جیتے رہیں گے۔ اور بکر کے بھائی بھی اتنا عرصہ زندہ رہیں گے۔ پھر اولاد کا وجود اور ان کی زندگی انسان کیلئے کسقدر تسلّی کا موجب ہوتی ہے۔ مگر کیا دنیا کی کوئی بھی گورنمنٹ ایسا کر سکتی ہے کہ سب کے ہاں ایک جتنی اولاد پیدا ہو۔ سب کی ایک جیسی قابلیت ہو اور سب کی ایک جتنی زندگی ہو۔ پھر رشتہ داروں کے دکھ سے انسان کو کیسا عذاب ہوتا ہے تم ہزار پلاؤ اور فرنیاں سامنے رکھدو۔ وہ ماں جسکا اکلوتا بچہ مر گیا ہے۔ اُسے اِن کھانوں میں کوئی مزا نہیں آئے گا۔ لیکن وہ ماں جس کے سینہ سے اس کا بچہ چمٹا ہوا ہو اُسے جو مزا باسی روٹی کھانے میں آتا ہے وہ اس بڑے سے بڑے مالدار کو بھی نہیں آتا جس کے سامنے بارہ یا چودہ ڈشوں میں مختلف قسم کے کھانے پک کر آتے ہیں۔ رشتہ داروں کے متعلق انسانی جذبات کی شدت کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کہ ابتداء میں جب بالشویک اور منشویک دو پارٹیاں بنیں تو مارتوو جو لینن کی طرح اپنی پارٹی میں مقتدر تھا۔ اس نے کہا کہ ہمیں اپنے قوانین میں یہ بھی لکھ لینا چاہیئے کہ آئیندہ ہماری حکومت میں پھانسی کی سزا کسی کو نہیں دی جائیگی۔ کیونکہ انسانی جان لینا درست نہیں اور

لوگ بھی اس سے متفق تھے اور وہ چاہتے تھے کہ پھانسی کی سزا کو اڑا دیا جائے مگر لینن نے اُس سے اختلاف کیا اور کہا کہ گو اصولاً یہ بات درست ہے مگر اسوقت اگر یہ بات قانون میں داخل کر دی گئی تو زار کو پھانسی پر لٹکایا نہیں جاسکیگا۔ پس خواہ صرف زار کی جان لینے کیلئے اس قانون کو جاری رکھنا پڑے تب بھی یہ قانون ضرور قائم رہنا چاہیئے ورنہ زار کو پھانسی پر لٹکایا نہیں جاسکیگا۔ لینن کی زار سے یہ انتہا درجہ کی دشمنی جس کی وجہ سے اُس نے پھانسی کی سزا کو منسوخ نہ ہونے دیا محض اس وجہ سے تھی کہ اُس کے بھائی کو زار سٹ حکومت نے کسی جرم میں پھانسی پر لٹکا دیا تھا لینن کے دل میں اپنے بھائی کی شدید محبت تھی اِس لئے اُس نے چاہا کہ پھانسی کا قانون قائم رہے۔ تاکہ وہ اپنے بھائی کی موت کا بدلہ زار سے لے سکے اور اُسے پھانسی پر لٹکا کر اپنے دل کو ٹھنڈا کر سکے۔ غرض رشتہ داروں کا دکھ بھی اتنا سخت ہوتا ہے کہ روٹی کا دکھ اُس کے مقابلہ میں کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتا مگر کیا کوئی بھی گورنمنٹ اِس میں مساوات قائم کر سکتی ہے اور کیا کوئی شخص کسی گورنمنٹ سے اپنے رشتہ داروں کی زندگی کا بیمہ لے سکتا ہے۔ پس دل کا چین اور حقیقی راحت بغیر مذہب اور خدا تعالےٰ سے تعلق کے حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ امور اُسی کے اختیار میں ہیں۔ تم روٹی بیشک برابر کی دیدو کپڑا بیشک یکساں دیدو لیکن انسان کو حقیقی چین اس وقت تک حاصل نہیں ہوگا جب تک اُسکا خدا سے تعلق نہ ہو کیونکہ روٹی کپڑے کے علاوہ ہزاروں چیزیں ہیں جن کی کمی بیشی سے دل کا چین جاتا رہتا ہے اور اُنکا دینا محض اللہ تعالےٰ کے اختیار میں ہے۔

کمیونزم کی حق ملکیت میں دخل اندازی

(۲) روس زار کے زمانہ میں صنعتی ملک تھا بلکہ بڑے بڑے زمینداروں کا ملک تھا۔ اسلئے کمیونزم کو براہ راست تعلق زمینوں سے تھا۔ نہ کہ صنعت سے۔ کارل مارکس نے اگر سرمایہ داری پر کچھ لکھا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جرمنی میں پلا اور وہیں کی یونیورسٹی میں اُس نے تعلیم پائی۔ لینن وغیرہ نے جب اُس کے فلسفہ کو اپنایا تو اس کی تعلیم سرمایہ داری کو زمینداری طریق پر چسپاں کرنے کی کوشش کی اور یہ اصول مقرر کیا کہ (۱) زمین حکومت کی ہے (۲) اس لئے ملک کی سب زمینوں کو لے کر اُس آبادی میں جو خود زمیندارہ کام کرے زمین تقسیم کر دینی چاہیئے۔ (۳) جسقدر زمین میں کوئی ہل چلا سکے اُسی قدر زمین اُس کے پاس رہنے دینی چاہیئے اس سے زائد نہیں (۴) چونکہ زمین حکومت کی ہے اسلئے اُس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا ضروری ہے۔ کاشتکار چونکہ حکومت کا نمائندہ ہے اُسے کاشت کے

بارہ میں حکومت کی دخل اندازی کو تسلیم کرنا چاہیئے۔

اسلام میں حق ملکیت

اسلام کی تعلیم جس کے اصول پہلے بتائے جا چکے ہیں اس بارہ میں یہ ہے کہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے مگر اللہ تعالیٰ نے حق ملکیت کو جو جائز طور پر ہو تسلیم کیا ہے مگر اس کے ساتھ یہ حکم دیا ہے کہ زمین کا مالک اپنی زمین کو اپنی اولاد میں ضرور تقسیم کرے (لڑکے کا ایک حصہ لڑکی کا نصف حصہ اور والدین کا $\frac{1}{6}$) اور کسی ایک بچے کے پاس نہ رہنے دے۔ اگر اولاد نہ ہو تب بھی وہ ماں باپ اور بہن بھائیوں میں تقسیم ہو۔ اگر وہ بھی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی نمائندہ حکومت کے پاس وہ زمین لوٹ جائے $\frac{1}{3}$ سے زائد کوئی شخص اپنی جائیداد کو وصیت میں نہیں دے سکتا لیکن یہ $\frac{1}{3}$ حصہ وارثوں میں سے کسی کو نہیں دیا جا سکتا کس قدر پُر حکمت یہ تعلیم ہے (۱) بوجہ ملکیت کو تسلیم کرنے کے ہر شخص جس کے پاس زمین ہوگی اُسے بہتر طور پر کاشت کریگا کیونکہ اس کے گذارہ کا مدار اس زمین پر ہوگا (۲) اس کے بچے یہ جانتے ہوئے کہ وہ اس زمین پر کاشت کرینگے اس فن میں مہارت پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔ (۳) اگر زمین نسبتی طور پر زیادہ بھی ہوگی تو تقسیم وارثت کے ذریعہ سے لازماً کم ہوتی چلی جائیگی (۴) چونکہ اسلام زمین کو اللہ تعالیٰ کی ملکیت قرار دیتا ہے اسلئے ناجائز طور پر بہت سی زمین کسی کے پاس نہیں جا سکتی۔ ناجائز سے مراد یہ ہے کہ اسلام کے سوا دوسرے نظاموں میں مفتوحہ ملکوں کی زمین بادشاہ کے ساتھیوں یا بارسوخ ہم قوموں میں تقسیم کر دی جاتی ہے اسی نظام کی وجہ سے نارمنڈی کے بادشاہوں نے انگلستان سکاٹ لینڈ اور آئرلینڈ کے بعض علاقوں کی زمینیں چند امراء میں تقسیم کر دیں اور باقی سب لوگ بغیر زمین کے رہ گئے حتیٰ کہ لوگوں کو مکان بنانے کے لئے بھی زمین نہ ملتی تھی بلکہ پُرانے قانون کے ماتحت لوگ مکانوں تک کے لئے امراء سے زمین نہ خرید سکتے تھے اور آخر لمبے مقاطعہ کی صورت میں زمینوں کی خرید و فروخت کا طریق جاری ہوا لیکن پھر بھی بہت سے قصبات کی عمارتیں بڑے زمینداروں کے قبضہ میں ہیں جو لوگوں کو کرایہ پر دیکر اپنا تصرف لوگوں پر قائم رکھتے ہیں۔ فرانس میں بھی اور جرمنی اور آسٹریا میں بھی ایک حد تک ایسا ہی ہوا۔ اٹلی میں بھی ایک لمبے عرصہ تک یہی حال رہا اور نپولین کی جنگوں کے بعد کسی قدر اصلاح ہوئی یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ کی ترقی میں بھی بڑے زمینداروں کی ایک جماعت اسی طرح پیدا ہو گئی کہ پُرانے باشندوں کی زمین کے جتنے وسیع رقبہ پر کوئی قبضہ کر سکا اس نے قبضہ کر لیا۔ آسٹریا میں بھی ایسا ہوا اور کینیا کالونی میں بھی اسی طرح ہوا کہ بعض بعض انگریزوں نے لاکھ لاکھ

ایکڑ پر قبضہ کر لیا اور پُرانے باشندوں کو محروم کر دیا۔

مفتوحہ علاقہ کی زمین پر قبضہ کرنیکے متعلق اسلام کا بہترین نمونہ

اس کے مقابل پر اسلامی فتوحات میں عرب میں تو فاتحین کو افتادہ زمینوں میں سے کچھ حصہ دیا گیا کیونکہ عرب میں تو زمین ہی کم ہے۔ اس سے وہ ناجائز طور پر بڑے زمیندار نہیں ہو سکتے تھے لیکن یمن اور شام میں جو پُرانے زمیندار تھے انہی کے پاس زمین رہنے دی گئی۔ عراق کا علاقہ چونکہ غیر آباد تھا اور ایرانی اسلام کی فتح پر اس علاقہ کو چھوڑ گئے تھے اور یہ علاقہ دو دریاؤں کے درمیان میں ہے اس لئے وہاں بہت سی افتادہ زمین مسلمانوں کو ملی مگر باوجود اس کے کہ لشکرِ اسلام کے بعض جرنیلوں نے اس وقت کے عام دستور کے مطابق اس زمین کو جو افتادہ اور سرکاری تھی فاتحین میں بانٹنے کی کوشش کی حضرت عمرؓ نے اس بنا پر تقسیم کرنے سے انکار کیا کہ اس سے آئندہ نسلیں اور عامۃ الناس مسلمانوں کو نقصان ہوگا اور اُسے گورنمنٹ کی ملکیت ہی رہنے دیا گیا۔ اسی طرح مصر میں بھی زمین وہاں کے سابق باشندوں کے پاس رہنے دی گئی۔ غرض اسلامی نظام کی جو تعمیر ابتداءِ اسلام میں کی گئی اس میں یہ امر تسلیم کر لیا گیا کہ افتادہ زمین کو بجائے امراء میں بانٹ دینے اور بڑے زمیندار کی جماعت تیار کرنے کے جیسا کہ یورپین نظام کے ماتحت ہوا ہے حکومت کے قبضہ میں رکھنا چاہیئے تاکہ آئندہ نسل اور آبادی کی ترقی پر سب ملک کی ضرورت کا انتظام ہو سکے جس کی وجہ سے اسلامی نظام کے ماتحت بڑی زمینداریوں کا قیام عمل میں نہیں آیا۔ گو بعد میں اسلام کی تعلیم پر پورا عمل نہیں ہوا پھر بھی اسلامی تعلیم کے اثر سے مسلمان بادشاہ پوری طرح آزاد نہیں ہوئے اور ہندوستان میں جب اسلامی حکومت آئی تو یہاں بھی یہی فیصلہ کیا گیا کہ مقبوضہ زمینیں پُرانے باشندوں کے قبضہ میں رہنی چاہئیں اور افتادہ زمین حکومت کے قبضہ میں اور ہندوستان کی بڑی زمینداریاں سب کی سب انگریزی زمانہ کی پیداوار ہیں۔ جب انگریز آئے تو انہوں نے اپنے انتظام کی سہولت کے لئے پُرانے تحصیلداروں یا ریونیو افسروں کو اُن کے علاقوں کا مالک قرار دیکر بنگال اور یوپی میں بڑے زمینداروں کی جماعت قائم کر دی حالانکہ یہ لوگ اصل میں صرف تحصیلدار تھے۔ اس نئے انتظام کے ماتحت غریب زمینداروں کو انکے حق سے محروم کر دیا گیا۔

غرض اسلامی نظام زمیندارہ کے متعلق بھی ویسا ہی مکمل ہے جیسا کہ دوسرے اقتصادی امور میں۔ اس میں بڑے زمینداروں کی جگہ نہیں یعنی حکومت ملکی زمینوں سے بڑے زمیندار نہیں بنا سکتی۔ ہاں کوئی شخص زمین خرید کر اپنی زمین کچھ

بڑھالے تو یہ اور بات ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ زمین خرید کر بڑھانا معمولی کام نہیں کیونکہ جس روپیہ سے زمین خریدی جائیگی وہ اگر تاجر کا ہے تو وہ تجارت کے زیادہ فائدہ کو زمین کی خاطر نہیں چھوڑے گا۔ اور اگر روپیہ زمیندار کا ہے تو بہر حال محدود ہوگا+ کبھی بھی کسی زمیندار کو اتنا نہیں بڑھنے دیگی کہ وہ ملک کی اقتصادی حالت کو خراب کر سکے۔ پھر تقسیم وراثت کے ذریعہ سے اُس کی زمین کو بھی ایک دو نسلوں میں کم کر دیا جائیگا۔

اِسلام کی کمیونزم کے مقابل پر بڑی زمینداریوں کو مٹانے کی بہترین سکیم

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اسلامی قانون کے مطابق کسی شخص کو خواہ وہ بے اولاد ہی کیوں نہ ہو $\frac{1}{3}$ سے زائد کی وصیّت کرنی جائز نہیں پس اگر کوئی شخص صاحب اولاد ہوگا تو اس کی زمین تقسیم ہو کر کم ہوتی جائیگی۔ اور اگر وہ اپنے خاندان کی وجاہت کے قیام کے لئے $\frac{1}{3}$ اپنی اولاد میں سے کسی کو دینا چاہیگا۔ تو بھی اسلام اُسے اجازت نہ دیگا۔ کیونکہ وصیّت وارثوں کے حق میں اسلام جائز نہیں قرار دیتا غیر وارثوں کے حق میں جائز قرار دیتا ہے۔ اور اس طرح زمین کو تقسیم سے روک کر بڑی زمینداریوں کے قیام کو ناممکن بنا دیتا ہے اور اگر کوئی لاوارث ہو تو اسلام اُسے بھی صرف $\frac{1}{3}$ حصہ کی وصیّت کی اجازت دیتا ہے۔ باقی زمین اس کی گورنمنٹ کے پاس چلی جائیگی اور اس طرح پھر ملک کے عوام کے کام آئیگی۔

اس نظام کی بھی یہ خوبی ہے کہ بڑے زمیندار جو نسلوں تک دوسروں کے لئے روک بن کر کھڑے رہیں اس کے ماتحت نہیں بن سکتے مگر اس کے ساتھ ہی شخصی آزادی میں بھی کوئی فرق نہیں آتا اور ذہنی ترقی عائلی ہمدردی اور ایسے نیک کاموں میں حصہ لینے کا راستہ کھلا رہتا ہے جن کو انسان اپنی عاقبت کی درستی کیلئے ضروری سمجھے۔ اس کے برخلاف کمیونزم نے جو تجاویز اپنے نظام کے لئے پیش کی ہیں۔ وہ شخصی آزادی کو کچلنے والی عائلی ہمدردی کو مٹانے والی اور دین کی خدمت سے محروم کرنے والی ہیں۔ اور پھر ان کے جاری کرنے میں وہ کلی طور پر ناکام بھی رہے ہیں۔

کمیونزم نے زمین کے متعلق یہ نظریہ قائم کیا تھا کہ زمین سب کی سب ملک کی ہے اور اسلئے حکومت کی ہے۔ اس طرح سب زمینداروں کو انہوں نے مزدور بنا دیا۔ حالانکہ تاجر اپنی جائیداد کا جو سامان کی صورت میں ہو ایک حد تک مالک سمجھا جاتا ہے۔ اپنے مقرر کردہ اصل کو عملی شکل دینے کے لئے کمیونزم نے یہ فیصلہ کیا کہ

+ زمینداروں کی کمائی سے حاصل کردہ روپیہ سے خریدی ہوئی زمین

چونکہ زمین حکومت کی ہے اس لئے حکومت کو اختیار ہے کہ وہ جہاں جو چیز بونا مناسب سمجھے زمیندار کو اُسی کے بونے پر مجبور کرے اور چونکہ زمیندار اپنے تجربہ کی بنا پر خاص خاص اجناس کے بونے میں ماہر ہوتے ہیں اس لئے یہ بھی اصل تسلیم کیا کہ زمینداروں کو اُن کی قابلیت کے مطابق جس علاقہ میں چاہے بھجوا دے۔ جب اس نظام کو اُس کی تمام تفاصیل کے مطابق ملک میں رائج کیا گیا تو زمینداروں نے محسوس کیا کہ (۱) انکو محض مزدور کی حیثیت دیدی گئی ہے اور عام تاجر اور صنّاع سے بھی اُن کا درجہ گرا دیا گیا ہے۔ (۲) اُن کے عائلی نظام کو تہ و بالا کر دیا گیا ہے کیونکہ اس کے یہ معنے ہیں کہ وہ زمین کو عمدہ بنانے میں جو بھی محنت کریں اُن کی نسل انکی محنت سے فائدہ اٹھانے سے روک دی جائیگی (۳) اُن کو ہر وقت اپنے وطنوں سے بے وطن ہونے کا خطرہ ہوگا۔ (۴) وہ اپنی روزمرّہ کی ضروریات زمین سے پیدا نہ کر سکیں گے بلکہ وہی اشیاء بو سکیں گے جن کی حکومت انہیں اجازت دے۔ اور اس طرح انکا وہ پُرانا نظام جس کے ماتحت وہ اپنے گاؤں اور قصبہ میں مکمل زندگی بسر کر رہے تھے تباہ ہو جائیگا ان حالات کو دیکھ کر انہوں نے بغاوت کر دی اور سالہا سال تک روس میں زمینداروں کی بغاوت زور پر رہی اور اجناس کی پیداوار بہت کم ہو گئی۔ آخر موسیو سٹالن نے اس نظام کو منسوخ کر کے پُرانے نظام کو پھر قائم کیا۔ زمینداروں کو اُن کی زمینوں کا مالک قرار دیا گیا اور فصل بونے کے بارہ میں بہت حد تک اُن کو آزادی دے دی گئی۔ اس طرح بغاوت تو فرو ہو گئی لیکن خود بالشویک لیڈر کے فیصلہ کے مطابق کمیونسٹ نظام کی غلطی پر مہر لگ گئی۔ چنانچہ موسیو سٹالن کے دشمنوں نے اُنپر ایک یہ الزام بھی لگایا ہے کہ زمینوں کے متعلق لینن کے مقرر کردہ نظام کو انہوں نے توڑ کر کمیونزم سے بغاوت کی ہے اور موسیو سٹالن نے اس کا جواب یہ دیا ہے۔ کہ اصل نصب العین کمیونزم کا عوام کی حکومت ہے سو اس نصب العین کے حصول کے لئے اگر دوسرے اصول بدل دئے جائیں تو اس میں کوئی ہرج کی بات نہیں۔ مگر بہر حال اُن کے جواب سے بھی یہ بات ثابت ہو گئی کہ کمیونزم ایک مستقل فلسفہ کی حیثیت میں کم سے کم زمینوں کے متعلق اقتصادی نظام قائم کرنے میں بالکل ناکام رہی ہے اور خود اس کے لیڈروں نے اسے تسلیم کر لیا ہے کہ اس کے اصول بطور ایک فلسفہ کے جاری نہیں کئے جا سکتے بلکہ حسب ضرورت اُن میں تبدیلی کرنی پڑتی ہے اور کمیونزم کے سوا دوسرے اصولوں کی مدد سے ملک اور قوم کا انتظام کرنا پڑتا ہے۔ اسلام کے کامیاب اقتصادی نظام کے مقابل پر یہ زبردست ناکامی اسلامی تعلیم کی برتری کا ایک

بیّن ثبوت ہے۔ اور اس بات کا ثبوت بھی کہ کمیونزم کوئی اصولی فلسفہ نہیں بلکہ محض ایک سیاسی تحریک ہے جسکی اصل غرض روس کو طاقت ور بنانا ہے۔ اور اُسے مذہب کے مقابل پر کھڑا کرنا سچائی اور دیانت کا منہ چڑانا ہے چنانچہ اسٹیفن کنگ حال ممبر پارلیمنٹ انگلستان حال ہی میں روس میں دورہ کرکے آئے ہیں۔ اُن کا ایک مضمون "SOVIET UNION" ماہ جون میں چھپا ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں۔ کہ روس کے اسوقت دو بڑے مقصد ہیں (۱) روس کو از سر نو تعمیر کرنا۔ (۲) روس کو دنیا میں سب سے بڑا سب سے اچھا سب سے زیادہ مالدار قوم بنانا۔ (دیکھو SOVIET UNION NEWS Vol. II No. 6.) پس کیونزم محض ایک سیاسی تحریک ہے اور اس کی اصل غرض روس کو طاقتور بنانا ہے۔

کمیونزم تحریک کے نتیجہ میں علمی ترقی کی بندش

(۳) تیسرا نقص کمیونزم میں یہ ہے کہ اس نظام کی وجہ سے جو کمیونزم نے قائم کیا ہے گو روٹی کپڑا ملتا ہے مگر اس کا ایک بہت بڑا نقص یہ ہے کہ اس سے آئندہ علمی ترقی بالکل رُک جائیگی۔ اس لئے کہ روٹی اور کپڑے کے لئے جتنا روپیہ ایک شخص کو ملتا ہے۔ وہ اتنا نا کافی ہوتا ہے کہ اس میں سفر کرنا اور دنیا میں پھرنا ایک کمیونسٹ کے لئے بالکل ناممکن ہے۔ جب تک روسیوں کو اقتصادیات میں حریت شخصی حاصل تھی وہ اپنے روپیہ کا ایک حصہ مختلف سفروں کیلئے رکھ لیتے تھے۔ وہ دنیا میں پھرتے تھے۔ مختلف ملکوں اور قوموں میں گھومتے تھے غیر اقوام سے ملکر اُن کے حالات کا جائزہ لیتے تھے اور پھر اُن معلومات سے خود فائدہ اٹھاتے تھے اور دوسروں کے فائدہ کے لئے اُن معلومات کو اپنے ملک میں شائع کر دیتے تھے اور ملک کے لوگ اُنکے معلومات سے فائدہ اٹھا کر ترقی کی شاہراہ کی طرف پہلے سے زیادہ تیزی کے ساتھ قدم بڑھانے لگتے تھے۔ یہی حقیقی مدرسہ ملکوں کی علمی ترقی کے لئے قانونِ قدرت نے قائم کیا ہے اور اس میں بڑھ کر قومیں ترقی کی طرف قدم اٹھاتی چلی آئی ہیں۔ قرآن کریم نے بھی بار بار مختلف ملکوں کی سیر اور اُن کے حالات دیکھنے کا حکم دیا ہے کیونکہ اس کے بغیر نکتۂ نگاہ وسیع نہیں ہوتا اور مختلف ممالک کے علوم کا آپس میں تبادلہ نہیں ہوتا۔ مگر اب کمیونسٹ سسٹم کی وجہ سے اُن کا لوگوں سے ملنا۔ دنیا کے حالات معلوم کرنے کے لئے مختلف ممالک میں پھرنا بالکل ناممکن ہوگیا ہے۔ اور جہاں جہاں کمیونزم پھیلیگی یہی نتیجہ وہاں بھی پیدا ہوگا اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ قوم میں ذہنی تنزل واقع ہو جائیگا۔ کمیونسٹ گورنمنٹ

کا کوئی نمائندہ تو دوسرے ملکوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ مگر کمیونسٹ خیالات کے کسی عام روسی کی شکل دیکھنا اب لوگوں کے لئے ایسا ہی ہو گیا ہے جیسے ہُما کی تلاش ہوتی ہے۔ مجھے وسیع ذرائع حاصل ہیں مگر اب تک مجھے بھی کسی آزاد روسی کمیونسٹ کو دیکھنے کا موقعہ نہیں ملا۔ ہاں حکومت کے نمائندے مل جاتے ہیں۔ یہ نتیجہ ہے اس بات کا کہ لوگوں کے پاس کوئی زائد روپیہ رہنے ہی نہیں دیا جاتا۔ روٹی اور کپڑے کی ضروریات کے علاوہ جو کچھ ہوتا ہے حکومت لے جاتی ہے اور لوگ بالکل خالی ہاتھ رہ جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جب حکومت اپنے نمائندے باہر بھجوا دیتی ہے تو اُن کے ذریعہ سے غیر ملکی خیالات اور ایجادات ملک میں آ سکتی ہیں لیکن یہ درست نہیں کیونکہ (۱) اول حکومت کا نمائندہ انہی باتوں کے اخذ کرنے پر مجبور ہے جن کیلئے حکومت اُسے بھجوائے۔ (۲) انسانی ذہنوں اور میلانوں میں بے انتہاء فرق ہے۔ کسی شخص کا اپنے شوق سے جانا اور اپنے میلان کے مطابق ایک بات کو اخذ کرنا یہ بالکل مختلف ہے اس سے کہ حکومت خود چن کر کسی شخص کو بھجوائے۔ ایسا منتخب کردہ شخص ہر میلان والے گروہ کی ترقی کا سامان پیدا نہیں کر سکتا۔ (۳) خود مختلف ممالک کے لوگوں کا کثرت سے باہم ملنا انسانی دماغ کی ترقی اور صلح اور امن اور اتحاد کے پیدا کرنے کا موجب ہوتا ہے۔ اس نظام کی وجہ سے اس کا راستہ بالکل مسدود کر دیا گیا ہے۔ اس وقت جو آزاد روسی باہر ملتے ہیں وہ یا تو کمیونزم کے مخالف ہیں جو اپنے ملک کو چھوڑنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ یا وہ کمیونسٹ ہیں جو حکومت کی طرف سے پروپیگنڈہ کیلئے مقرر ہیں لیکن اپنے اثر کو وسیع کرنے کے لئے غیر ملکوں میں جا کر جھوٹ بولتے ہیں کہ وہ آزاد روسی ہیں اور حکومت سے ان کا کوئی تعلق نہیں کیونکہ جب زائد روپیہ عوام کے پاس ہوتا ہی نہیں تو وہ دور دراز کا سفر کس طرح کر سکتے ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا۔ کراچی سے لاہور آتے ہوئے مجھے ایک دوست نے بتایا۔ کہ ایئر کنڈیشنڈ کمپارٹمنٹ میں ایک روسی ہے جو اپنے آپ کو آزاد سیاح بتاتا ہے اور کمیونزم کی تائید میں بہت کچھ پروپیگنڈا کر رہا ہے۔ میں نے اس دوست سے کہا کہ اس سے کہو کہ تمہارا آزاد روسی ہونے کا دعوٰے سراسر جھوٹا ہے۔ تمہارے نقطۂ نگاہ سے میں ایک بڑا زمیندار ہوں مگر میں سیکنڈ میں سفر کر رہا ہوں۔ تمہارے ہاں تو بڑے زمیندار ہوتے ہی نہیں تم ایک کسان ہو کر یا مزدور ہو کر کس طرح اتنے دور دراز علاقہ کا سفر اس عیاشی کے ساتھ کر رہے ہو۔ اگر تمہارا مزدور اور کسان ایئر کنڈیشنڈ کمرہ میں ہزاروں میلوں کا سفر کر رہا ہے تو ہندوستان کے ان لوگوں کے خلاف

تمہارا جوش کس امر پر مبنی ہے جو تم سے بہت کم آرام حاصل کر رہے ہیں اور جنکا حال درحقیقت تمہارے مزدوروں کا سا ہے۔ تم سے جو درحقیقت حکومت کے گماشتے ہو ان کو کوئی نسبت ہی نہیں کیونکہ تمہاری دولت اور ان کے گذارہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

کمیونزم نظام قائم رکھنے کیلئے سونٹے کی ضرورت

(۴) چوتھا نقص اس نظام میں یہ ہے کہ جب بھی اس میں خرابی پیدا ہوئی اور اس تحریک پر زوال آیا ملک میں ڈکٹیٹر شپ قائم ہو گی اور نتائج پہلے سے بھی خطرناک ہو جائینگے۔ وجہ یہ ہے کہ اس نظام میں قابلیت کو مٹا کر دماغ کو ضائع کر دیا گیا ہے اس لئے جب بھی تنزل ہو گا یہ تحریک کلی طور پر گر جائیگی اور خلا کو پُر کرنے کے لئے سوائے ڈکٹیٹر کے اور کوئی چیز میسر نہ آئیگی۔ جرمنی نے اگر ہٹلر کو قبول کیا تو کمیونسٹ میلانات کی وجہ سے جو جرمنی میں شدت سے پیدا ہو رہے تھے۔ فرانس کا تجربہ بھی اس پر گواہ ہے جب فرانس کے باغیوں میں تنزل پیدا ہوا تو اس کے نتیجہ میں نپولین جیسا جبّار پیدا ہو گیا جمہوریں سے جمہوریت کا کوئی دلدادہ اس جگہ کو نہ لے سکا۔ اسی طرح بیشک کمیونزم اپنی حکومت کو پرولی ٹیری ایٹ (Proletariate) کہہ لے یا اس کا نام (Totalitarian) ٹوٹیلی ٹیرین حکومت رکھ لے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ نظام آخر چکّر کھا کر ایک ڈکٹیٹر کی شکل اختیار کر لیگا بلکہ اس وقت بھی عملی رنگ میں یہی حالت ہے کیونکہ گو یہ لوگ اقتدارِ عوام کے حامی ہیں لیکن عملاً حکومت کا اقتدار عوام کے ہاتھ میں دینا پسند نہیں کرتے۔ چنانچہ روس میں ایک منٹ کے لئے بھی جمہوری حکومت قائم نہیں ہوئی بلکہ ڈکٹیٹر شپ ہی چلی جا رہی ہے۔ لینن پہلا ڈکٹیٹر تھا۔ اب دوسرا ڈکٹیٹر سٹالن بنا ہوا ہے۔ سٹالن کے بعد شائد موسیو مولوٹوف ڈکٹیٹر بن جائیں گے اور جب مولوٹوف ہٹے تو کسی اور ٹوف یا خوف کی باری آجائیگی۔ بہرحال اس قسم کے نظام کو سونٹے کی مدد کے سوا کبھی قابو میں نہیں رکھا جا سکتا اور روس کا تجربہ اس امر پر شاہد ہے۔

(۵) پانچواں نقص کمیونزم کے اقتصادی نظام میں یہ ہے کہ اس میں سود کی ممانعت کو بطور فلسفہ کے اختیار نہیں کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہاں انفرادی سودی بنک نہیں ہیں۔ سو تک مجھے اس بارہ میں کوئی تحقیقی علم نہیں اس لئے میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن انفرادی سودی بنکوں کا نہ ہونا اور سود کو اصولی طور پر بُرا سمجھنا دونو بالکل متباین باتیں ہیں۔ انفرادی سودی بنک کا نہ ہونا سامان میسر نہ آنے کے سبب سے بھی ہو سکتا ہے۔

اور بنکنگ کے اصول سے عام پبلک کی ناواقفیت کے سبب سے بھی ہو سکتا ہے مصلحت وقتی کے ماتحت بھی ہو سکتا ہے جب سامان میسر آجائیں یا پبلک کا ترقی کرنے والا حصہ بنکنگ سسٹم سے آگاہ ہو جائے یا وقتی مصلحت بدل جائے تو انفرادی بنک ملک میں جاری ہو سکتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی قوم کسی بات کو اصولی طور پر بُرا سمجھتی ہے تو خواہ حالات بدل جائیں خواہ اس بات کا باریک اور عملی علم حاصل ہو جائے خواہ سامان کثرت سے مہیا ہوں وہ قوم اس بات کو کبھی اختیار نہیں کریگی کیونکہ اُس کا اِس بات کو ترک کرنا اصولی بنا پر تھا نہ وقتی مشکلات یا وقتی مصالح کی بنا پر۔

غرض روس میں اگر افراد سے لین دین کرنے والے بنک نہیں ہیں تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ کیپٹلزم کی جڑ کو جو سود ہے روس نے کاٹ دیا ہے۔ مَیں نے کہا ہے کہ مجھے اس بارہ میں ذاتی علم نہیں لیکن ایک بات واضح ہے اور وہ یہ کہ کمیونزم کے لٹریچر میں سود کی ممانعت کا کوئی ذکر نہیں اور یہ بات مجھے اس بات کا دعویٰ کرنیکا حق دیتی ہے کہ کمیونزم سود کی اصولی طور پر مخالف نہیں۔ پھر میں دیکھتا ہوں کہ روسی گورنمنٹ دوسری حکومتوں سے جو سود کے بغیر کوئی کام نہیں کرتیں روپیہ قرض لیتی ہے۔ اس امر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کمیونزم سود کی مخالف نہیں ہے بلکہ اس کے حق میں ہے۔ کیونکہ اگر وہ سود کے حق میں نہ ہوتی تو سود پر رقوم قرض کیوں لیتی۔ نیز موجودہ جنگ میں روس نے اپنے ملکی لوگوں سے بھی بہت روپیہ قرض لیا ہے۔ میں قیاس کرتا ہوں کہ یہ روپیہ بھی سود پر ہی لیا گیا ہے۔

اگر میری یہ رائے درست ہے کہ کمیونزم سود کے خلاف نہیں بلکہ اسکے حق میں ہے اور بہت سے واقعات میری رائے کی تائید کرتے ہیں تو یہ امر بھی تسلیم کرنا پڑیگا کہ روس میں سودی کاروبار کی کمی محض ایک وقتی امر ہے اور سابق نظام میں ایک غیر معمولی تغیر کا نتیجہ ہے لیکن جب کمیونسٹ لوگ روس سے باہر جانے لگیں گے تو وہاں کاروبار کیلئے وہ سود پر روپیہ لیں گے اور جب ملک زیادہ ترقی کریگا اور صنعت و حرفت اور زراعت ترقی کرینگے تو یورپ کی دوسری اقوام کی طرح کمیونسٹ بھی ان کاموں کی ترقی کے لئے سود کا کاروبار کرینگے۔ اسی طرح جنگوں کو کامیاب طور پر چلانے اور وسیع صنعتی ترقی کے لئے سٹیٹ بنک کی شاخیں ملک میں کثرت سے کھولی جائیں گی اور آخر سود اسیطرح کمیونزم کو کیپٹلزم کی طرف لے جائیگا جسطرح دوسرے مغربی ممالک کو لے گیا ہے۔

(۶) چھٹا نقص کمیونسٹ اقتصادی نظام کا جس کی وجہ سے کیپٹلزم کچلا نہیں جا سکتا (EXCHANGE) ایکسچینج کے طریق کا جواز ہے۔ وہی تبادلۂ سکہ کا طریق جو بنکوں کی وجہ سے اور حکومتوں کے تداخل کی وجہ سے اس زمانہ میں جاری ہوا ہے کمیونزم بھی اسی کی تائید کرتا ہے اور اسی کے مطابق عمل کرتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں ایکسچینج ریٹ (یعنی دو ملکوں کے سکوں کی متبادل قیمتوں کی تعیین) دو ملکوں کی تجارت کے طبعی توازن پر نہیں رہا بلکہ کمزور ملکوں کے مقابل پر تو بنکوں کے ہاتھ میں اس کی کنجی ہے اور طاقتور ملکوں کی شرح مبادلہ خود حکومتیں مقرر کرتی ہیں اور قیمت کی تعیین میں تجارت موجودہ کے علاوہ یہ غرض مدنظر ہوتی ہے کہ کس ملک سے کسقدر آئندہ تجارت کرنا اس حکومت کے مقصود ہے ہمیشہ شرح تبادلہ پر غریب ملک شور مچاتے رہتے ہیں لیکن چونکہ ان کے پاس جواب دینے کیلئے جس طاقت کی ضرورت ہوتی ہے وہ موجود نہیں ہوتی اس لئے خاموش ہو جاتے ہیں اور اس طرح زبردست ملک کمزور ملک کو تجارتی طور پر کمزور کر دیتا ہے حالانکہ تبادلہ شرح ایک بنیادی اصول ہے وہ اصول جس پر دو ملکوں کے تجارتی تعلقات کی بنیاد قائم ہونی چاہیئے تبادلہ اشیاء ہے یا تبادلۂ قیمت یعنی سونا چاندی لیکن بجائے اشیاء کے تبادلہ یا سونے چاندی پر تجارت کی بنیاد رکھنے کے ایکسچینج ریٹ پر تجارت کی بنیاد رکھ دی گئی ہے جس کی وجہ سے غیر متمدن ممالک بنکوں کے ہاتھوں پر پڑ گئے ہیں اور متمدن ممالک میں تجارت سیاست کے تابع چلی گئی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایکسچینج کی وجہ سے تجارت میں سہولت پیدا ہو جاتی ہے اور موجودہ زمانہ کی بڑھی ہوئی تجارت بغیر کسی آسان طریق تبادلہ کے سہولت سے جاری نہیں رکھی جا سکتی لیکن یہ ضروری نہیں کہ شرح تبادلہ کو سیاسیات کے تابع رکھا جائے اور کمزور ملکوں کے لوٹنے کا ذریعہ بنایا جائے بلکہ اگر غور کیا جائے تو سابق بارٹر سسٹم کو جس میں اشیاء کا اشیاء کے مقابلہ میں تبادلہ ہوتا ہے نہ کہ ایکسچینج ریٹ کے اصول پر ایسے طریق پر ڈھالا جا سکتا ہے کہ موجودہ زمانہ کی ضرورتوں کے مطابق وہ ہو جائے اور حکومتوں کا دخل اس سے ہٹا دیا جائے۔ بلکہ مختلف ممالک کے تاجروں اور حکومت کے نمائندوں کے مشورہ سے وقتاً فوقتاً مختلف ممالک کیلئے ایکسچینج کا ایک ایسا طریق مقرر کیا جائے جسکا بنیادی اصول تبادلۂ اشیاء ہو نہ کہ کاغذی روپیہ کی مصنوعی قیمت پر۔

جرمنی نے گذشتہ جنگ کے بعد ایکسچینج (EXCHANGE) میں سیاسی دخل اندازی کر کے اپنے کاغذی روپیہ کو اس قدر سستا کر دیا کہ سب دنیا کی دولت اس طرف کھچی چلی آئی اور جب کافی سرمایہ غیر ملکوں سے تجارت کرنے کے لئے اُس کے پاس جمع ہو گیا تو اُس نے اپنے کاغذی سکّہ کو منسوخ کر دیا اور اس طرح تمام دنیا کے ممالک میں بہت کم خرچ سے بہت بڑی رقوم غیر ملکی سکّوں کی اپنی آئندہ تجارت کے لئے جمع کر لیں۔ اگر بارٹر سسٹم (تبادلۂ اشیاء) پر بین الاقوامی تجارت کی بنیاد ہوتی تو جرمنی اس طرح ہرگز نہ کر سکتا تھا۔ روس نے بھی جرمنی کی نقل میں ایکسچینج کو بہت گرا دیا لیکن بوجہ جرمنی جیسا ہوشیار نہ ہونیکے اور بوجہ صنعتی منظم نہ ہونیکے اسے فائدہ نہ اٹھایا درحقیقت مصنوعی شرح تبادلہ ایک زبردستوں کا ہتھیار ہے جس سے وہ کمزور قوموں کی تجارت کو اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں اور غیر طبعی طریقوں سے تجارت کے بہاؤ کو اپنی مرضی کے مطابق جدھر چاہتے ہیں لے جاتے ہیں۔

روس نے اس نظام کو تسلیم کر لیا ہے اور اسطرح ملکی کیپٹلزم کی بنیاد کو قائم رکھا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ جوں جوں روسی صنعت و حرفت مضبوط ہو گی کمیونزم زیادہ سے زیادہ اس ہتھیار سے کام لیگی اور کمزور ممالک کی تجارتوں کو اپنے مطلب اور اپنے فائدہ کے لئے استعمال کریگی اور اس طرح گو مادی دولت کو جمع کر لیگی لیکن اصولی طور پر خود اپنے اصول کو توڑنے والی اور غریب اور کمزور ممالک پر ظلم کرنیوالی ثابت ہو گی۔

کمیونزم کا اقتصادیات میں جبر سے کام لینا

(۷) ساتویں اس نظام کے اقتصادی حصہ کو چلانے کے لئے جبر سے کام لیا جاتا ہے جو آخر ملک کے لئے مضر ثابت ہو گا۔ کمیونزم کہتی ہے کہ دولت مندوں کی دولت لوٹ لی جائے اور سوائے ابتدائی انسانی ضروریات کے خرچ کے انہیں اور کچھ نہ دیا جائے۔ یہ نظریہ اپنی ذات میں اچھا ہو یا بُرا سوال یہ ہے کہ کمیونزم جبر کو جائز سمجھتی ہے اور اس سے کام لیتی ہے۔ اور بجائے اس کے کہ آہستہ آہستہ ترغیب اور تربیت سے لوگوں کی عادات درست کی جائیں اور اپنے سے کمزوروں پر رحم کی عادت ڈالی جائے اور غرباء کی محبت اور اُن سے مساوات کا خیال اُن سے اونچے طبقہ کے لوگوں کے دلوں میں ڈالا جائے کمیونزم جبر کی طرف مائل ہوتی ہے اور اس کی تعلیم دیتی ہے اور اُس نے برسرِ اقتدار آتے ہی یکدم آسودہ حال لوگوں کی دولت کو چھین لیا اور اُن کی تمام جائیدادوں کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ یہ ظاہر ہے کہ ایسے لوگ جن کو شاہی محلات میں سے نکال کر چوہڑوں کے گھروں میں بٹھا دیا جائے اُن کے دلوں میں جتنا

بھی اس تحریک کے متعلق بغض پیدا ہو کم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں اس تحریک سے کوئی ہمدردی نہیں بلکہ وہ اس سے انتہائی طور پر بغض رکھتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں بے شک اسلام نے بھی اُمراء سے اُن کی دولت لی، مگر جبر سے نہیں بلکہ پہلے انہیں وعظ کیا پھر دولت کے محرکات کو مٹایا پھر اُن کی ضروریات کو محدود کیا پھر انہیں زکوٰۃ اور صدقہ وغیرہ احکام کا قائل کیا اور بالآخر ان تدابیر کے باوجود جو دولت اُن کے ہاتھوں میں رہ گئی اُسے ان کی اولادوں اور رشتہ داروں میں تقسیم کرا دیا۔ اس طرح دولت اسلام نے بھی لے لی اور کمیونزم نے بھی۔ مگر کمیونزم نے جبر سے کام لے کر امراء سے اُن کی دولت لی اور اسلام نے محبت سے اُن کی دولت لی۔ اس جبر کا یہ نتیجہ ہے کہ غیر ممالک میں ایک بہت بڑا عنصر اُن اُمراء کا موجود ہے جو روس کے خلاف ہیں کیونکہ کمیونزم نے اُن کی دولت کو چھین لیا اور انہیں تخت شاہی سے اُٹھا کر خاک مذلت پر گرا دیا۔

کمیونسٹ غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ آجکل اس تحریک کے خلاف کسی ملک میں جوش نہیں ہے اور وہ اس پر بہت خوش ہیں حالانکہ اس وقت کی خاموشی کی وجہ یہ ہے کہ غیر ممالک اس وقت روس کی مدد کے محتاج ہیں۔ اس وقت انگلستان کوئی بات روس کے خلاف سننے کے لئے تیار نہیں۔ اسوقت امریکہ کوئی بات روس کے خلاف سننے کے لئے تیار نہیں کیونکہ امریکہ اور انگلستان دونوں اس وقت روس کی مدد کے محتاج ہیں اور لوگ اس وجہ سے خاموش بیٹھے ہیں جس دن لڑائی ختم ہوئی اور لوگوں کی آواز پر حکومت کی گرفت نہ رہی اُسی دن وہ لوگ جو آج مصلحت کے ماتحت خاموش بیٹھے ہیں روس کے خلاف سازشیں شروع کر دیں گے۔ اور اس تحریک کو مٹانے کی کوشش کریں گے۔ (چنانچہ اس تقریر کے بعد جنگ جرمنی ختم ہو گئی اور مختلف ممالک میں روسی نظام کے خلاف آوازیں اٹھنی شروع ہو گئی ہیں خصوصاً یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ میں)

کمیونزم کے ذریعہ عائلی محبت کی موت

(۸) آٹھواں نقص اس نظام میں یہ ہے کہ اس میں عائلی محبت کا سر کچل دیا گیا ہے جو آخر مضر ہو گا۔ کمیونزم میں ماں اور باپ اور بہنوں اور بھائیوں اور دوسرے تمام رشتہ داروں کی محبت کو نظر انداز کر دیا گیا ہے اور بچوں کو کمیونزم کی تعلیم دینے اور مذہب سے بیگانہ کرنے کے لئے حکومت کے بچے قرار دیدیا گیا ہے۔ ہر بچہ بجائے اسکے کہ ماں کی گود میں رہے بجائے اس کے کہ باپ کی آنکھوں کے سامنے پرورش پائے کلّی طور پر گورنمنٹ

کے اختیار میں چلا جاتا ہے یا کم سے کم قانونی طور پر ایسا ہے۔ اس طرح ماں باپ کی محبت کا خانہ بالکل خالی کر دیا جاتا ہے۔ یہ نظام بھی ایسا ہے جو دیر تک نہیں چل سکتا۔ یا تو اس نظام کو بدلنا پڑیگا یا رشیا کا انسان انسان نہ رہے گا کچھ اور بن کر رہ جائیگا۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ کمیونزم کامیاب ہوگیا حالانکہ اس وقت کمیونزم کی کامیابی محض زار کے مظالم کی وجہ سے ہے جب پچاس ساٹھ سال کا زمانہ گذر گیا۔ جب زار کے ظلموں کی یاد دلوں سے مٹ گئی جب اُس کے نقوش دھندلے پڑ گئے اگر اُسوقت بھی یہ نظام کامیاب رہا۔ تب ہم سمجھیں گے کہ کمیونزم واقعہ میں ماں کی محبت اور باپ کے پیار اور بہن کی ہمدردی کو کچلنے میں کامیاب ہوگیا ہے۔ لیکن دنیا یاد رکھے یہ محبتیں کبھی کچلی نہیں جا سکتیں۔ ایک دن آئیگا کہ پھر یہ محبتیں اپنا رنگ لائینگی پھر دنیا میں ماں کو ماں ہونے کا حق دیا جائیگا۔ پھر باپ کو باپ ہونیکا حق دیا جائیگا۔ پھر بہن کو بہن ہونے کا حق دیا جائیگا۔ . . . . اور پھر یہ گمگشتہ محبتیں واپس آئیں گی۔ لیکن اس وقت یہ حالت ہے کہ کمیونزم انسان کو انسان نہیں بلکہ ایک مشین سمجھتا ہے۔ نہ وہ بچّہ کے متعلق ماں کے جذبات کی پرواہ کرتا ہے۔ نہ وہ باپ کے جذبات کی پروا کرتا ہے۔ نہ وہ بہن کے جذبات کی پرواہ کرتا ہے نہ وہ اور رشتہ داروں کے جذبات کی پرواہ کرتا ہے۔ وہ انسان کو انسان نہیں بلکہ ایک مشینری کی حیثیت دے رہا ہے۔ مگر یہ مشینری زیادہ دیر تک نہیں چل سکتی۔ وقت آئیگا کہ انسان اس مشینری کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیگا۔ اور اس نظام کو اپنے لئے قائم کریگا جس میں عائلی جذبات کو اپنی پوری شان کے ساتھ برقرار رکھا جائیگا۔

دماغی قابلیّت کی بے قدری

(۹) نواں نقص اس نظام میں یہ ہے کہ اس میں دماغ کی قدر نہیں۔ اس لئے مجبوراً اعلےٰ دماغ کے لوگ روس میں سے باہر نکلیں گے اور اپنی دماغی ایجادات کی قیمت دنیا سے طلب کریں گے۔ بالشوزم کے نزدیک ہاتھ کا کام اصل کام ہے۔ وہ دماغی قابلیتوں کو ہاتھ کے کام کے بغیر بیکار محض قرار دیتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہاتھ کا کام بھی کام ہے مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ دماغی کام بھی اپنی ذات میں بہت بڑی اہمیّت رکھتے ہیں اور پھر فطرت انسانی میں یہ بات داخل ہے کہ وہ اپنی خدمات کا صلہ چاہتی ہے۔ جب کمیونسٹ گورنمنٹ دماغی قابلیتوں کی قدر نہیں کرے گی تو فطرت کا مقابلہ زیادہ دیر تک نہیں ہو سکیگا۔ یا تو کمیونسٹ نظام خود اپنے

اندر تبدیلی کرنے پر مجبور ہوگا اور دوسرے نظاموں کی صف میں آکر کھڑا ہو جائیگا اور اپنے فلسفہ کو ترک کرنے پر مجبور ہوگا یا پھر اعلےٰ دماغ رکھنے والے لوگ باہر نکلیں گے اور غیر ممالک میں اپنی ایجادات کو رجسٹرڈ کرا کے اُن سے فائدہ اٹھائیں گے مگر روس اُن کی دماغی قابلیتوں کے فوائد سے ہمیشہ کیلئے محروم ہو جائیگا۔ اِس وقت روسی گورنمنٹ سختی سے لوگوں کو باہر جانے سے روکے ہوئے ہے۔ مگر جب آپس میں میل جول شروع ہوا اور اس جنگ کے نتیجہ میں ایک حد تک ایسا ضرور ہوگا تو روسی موجد باہر نکلیں گے اور غیر ممالک میں دوسرے موجدوں کی حالت کو دیکھ کر خود بھی کمپنیاں قائم کر کے اپنی ایجادات سے نفع اٹھانا شروع کر دیں گے۔ جیسے جرمنی نے جب یہودیوں پر مظالم شروع کئے تو یہودی جرمن میں سے نکل کر امریکہ میں چلے گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہی چیزیں اور وہی دوائیں جو پہلے جرمنی میں تیار ہوا کرتی تھیں اب امریکہ میں تیار ہونی شروع ہو گئی ہیں۔ بڑے بڑے کارخانے امریکہ میں اُن یہودیوں نے کھول رکھے ہیں اور اُن سے خود بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں اور امریکہ کو بھی فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ حالانکہ وہ کارخانے پہلے جرمنی میں تھے۔ جب اُنکے حقوق کو دبایا گیا تو وہ انگلستان اور امریکہ میں چلے گئے۔ اِسی طرح روس میں جب بھی ڈھیل ہوئی اور لوگوں کو آمد و رفت کی آزادی ملی وہاں کے موجد باہر نکلیں گے اور غیر ممالک میں بس کر اپنی دماغی قابلیتوں سے فائدہ اٹھانا شروع کر دیں گے باہم بیرونی ملکوں سے میل جول کے بند ہونیکی وجہ سے روسی دماغ میں کمزوری آنی شروع ہو جائیگی اور آخر وہ ایک کھڑے پانی کے تالاب کی طرح سڑ کر رہ جائیگا۔

روسی صنعت میں تنزل کا خطرہ

(۱۰) دسواں نقص کمیونسٹ نظام میں یہ ہے کہ چونکہ اس وقت کھانا اور کپڑا وغیرہ حکومت کے سپرد ہے اور صنعت و حرفت بھی اس کے سپرد ہے۔ اور امپورٹ (IMPORT) اور ایکسپورٹ (EXPORT) بھی اس کے قبضہ میں ہیں اور جس ملک میں وہ قائم ہوئی ہے وہ صنعت میں بہت پیچھے تھا اس لئے فوراً حقیقی نتائج معلوم نہیں ہو سکتے مگر عقلاً یہ امر ظاہر ہے کہ جب تک صرف اسقدر صنعت وہاں ہے کہ ملک کی ضرورت کو پورا کرے نقصان کا پتہ نہیں لگ سکتا جس قیمت پر بھی چیز بنے بنتی جائیگی اور ملک میں کھپتی جائیگی اُس کے مہنگا ہونیکا علم نہیں ہوگا جب تک وہاں کے کارخانے صرف روسیوں کی ضروریات کو پورا کرتے ہیں اُسوقت تک یہ پتہ نہیں لگ سکتا کہ کارخانے نفع پر چل رہے

ہیں بالنقصان کی طرف جا رہے ہیں وجہ یہ ہے کہ جس قیمت پر بھی کوئی چیز تیار ہوتی ہے وہ ملک میں کھپ جاتی ہے مگر ایک وقت آئیگا کہ صنعت ملک کی ضرورت سے زیادہ بڑھنے لگیگی اگر اُسوقت صنعت کو روکا گیا۔ تو اس میں تنزل شروع ہو جائیگا اور اگر بڑھنے دیا گیا تو اس صورت میں یہ امر لازمی ہوگا کہ روسی صنعت کی اشیاء دوسرے ملکوں کو بھجوائی جائیں تب یہ بھی ضروری ہوگا کہ روسی صنعت کی اشیاء کی وہی قیمت مقرر کی جائے جنپر وہ باہر کی منڈیوں میں فروخت ہو سکیں اگر اس مجبوری کے ماتحت روسی پیداوار کو اس کی لاگت سے کم قیمت پر فروخت کیا گیا تو گویا روسی صنّاع غیر ملکوں کا غلام بن جائیگا کہ رات دن محنت کر کے لاگت سے کم قیمت پر انہیں اشیاء مہیا کریگا لیکن اگر ایسا نہ کیا گیا تو لازماً ملک کی صنعت ایک حد تک ترقی کر کے رُک جائیگی یا پھر روس کو ایمپریلزم کا طریق اختیار کرنا ہوگا۔ یعنی دوسرے ملکوں کو قبضہ میں لا کر اُن پر اپنی مصنوعات ٹھونسنی پڑینگی اور اسطرح خود اپنے ہاتھ سے روس اپنی آزادی کے دعووں کو دفن کر دیگا۔ غرض اسوقت مقابلہ نہ ہونے کی وجہ سے کم سے کم قیمت پر مال پیدا کرنے کی روح سخت کمزور ہے اور آئندہ اور بھی کمزور ہوتی جائیگی۔ اسوقت اُس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ایک غریب عورت دن میں پانچ سیر دانے پیس لیتی ہے تو گھر والے خوش ہو جاتے ہیں کہ اس نے خوب کام کیا ہے اور وہی آٹا رات کو پکا کر کھا لیتے ہیں لیکن جب وہ باہر جا کر مزدوری کرتی ہے تب اُسے پتہ لگتا ہے کہ میں نے کتنا کام کیا ہے اور کتنا کام مجھے کرنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ پانچ سیر دانوں کی پسائی کے مقابل پر باہر مزدوری اُسے بہت زیادہ ملتی ہے۔ اسی طرح جب تک روسی اپنی تیار کردہ اشیاء اپنے گھر میں استعمال کرتے رہتے ہیں یہ صحیح طور پر قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ روس تجارتی طور پر بڑھ رہا ہے یا گھٹ رہا ہے۔ اس وقت بظاہر ایسا نظر آتا ہے کہ روس اقتصادی طور پر کامیاب ہو رہا ہے لیکن جب اسکی صنعت بڑھیگی اُسوقت اس کا بھانڈا پھوٹ جائیگا اور اقتصادی طور پر وہ بالکل گر جائیگا۔ لیکن اگر کامیاب ہو گیا تو اس کا ایک اور خطرناک نتیجہ نکلیگا جو ذیل کے ہیڈنگ کے نیچے بیان کیا گیا ہے۔

کمیونزم کے نظام میں عالمگیر ہمدردی کا فقدان

(۱۱) گیارھواں نقص کمیونزم نظام میں یہ ہے کہ اُسکی بنیاد صرف ملکی ہمدردی پر ہے۔ عالمگیر ہمدردی کا اصل اُس میں نہیں ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اگر روسی کمیونزم نظام صنعتی ترقی میں کامیاب ہو گیا تو وہ مجبور ہو گا کہ ایک زبردست

کیپیٹل نظام جو پہلے نظام سے بھی بڑا ہو اور دنیا کے لئے پہلے نظام سے بہت زیادہ خطرناک ہو قائم کرے۔ مَیں حیران ہوں کہ اتنے اہم سوال کی موجودگی میں ہمارا تعلیمیافتہ طبقہ کمیونزم کی حمایت کس بنا پر کرتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ روس نے اجتماعی سرمایہ داری کو ایک عظیم الشان شکل میں پیش کیا ہے اور اس سے دنیا کو آخر بہت نقصان پہنچیگا۔ روس میں اور دوسرے ممالک میں جو کمیونسٹ ہیں وہ اس بات پر خوش ہوتے ہیں کہ کمیونزم نے ہر شخص کی روٹی اور کپڑے کا انتظام کر دیا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جہاں تک روٹی اور کپڑے کا سوال ہے ہم بھی خوش ہیں کہ لوگوں کی اس ضرورت کو پورا کیا گیا لیکن اس کے ساتھ ہی اُس عظیم الشان خطرہ کو کسی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جو ایک نئے کیپٹل سسٹم (CAPITAL SYSTEM) کی صورت میں دنیا کے سامنے آنے والا ہے۔

روس کا دعویٰ ہے کہ اُس نے ۱۹۲۸ء سے ۱۹۳۷ء تک اپنے ملک کی صنعتی پیداوار کو 625% فیصدی بڑھا دیا ہے۔ یعنی پہلے اگر ایک ارب تھی تو اب چھ کھرب پچیس ارب ہے پہلے اگر سو موٹر روس میں بنتا تھا تو اب ۶۲۵ موٹر بنتا ہے یا پہلے اُس کے کارخانوں میں اگر ایک لاکھ تھان کپڑے کا تیار ہُوا کرتا تھا تو اب چھ لاکھ پچیس ہزار تھان بنتا ہے۔ یہ ترقی واقعہ میں ایسی ہے جو قابلِ تعریف ہے۔ روسی کمیونزم کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ ۱۹۲۸ء سے ۱۹۳۷ء تک دس بلین روبلز سے اس کا صنعتی سرمایہ چھتّر بلین روبلز تک بڑھ گیا ہے (روبل کی موجودہ قیمت بہت تھوڑی ہے) گویا اس عرصہ میں اُس نے ساڑھے سات گنا اپنا سرمایہ بڑھا لیا ہے اور سوا چھ سو گنا اُس نے اپنی صنعتی پیداوار کو بڑھا لیا ہے۔ اُس کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ صرف ۱۹۳۷ء میں اُس نے اپنی ملکی آمد کا ¼ حصہ کارخانوں کی ترقی پر لگایا ہے یہ بھی بڑی شاندار ترقی ہے مگر ایک بات پر غور کرنا چاہیئے۔ کیا روس بغیر دوسرے ملکوں سے تجارتی لین دین کرنے کے ہمیشہ کے لئے ایک بند دروازہ کی پالیسی پر عمل کر کے اپنی اس ترقی کی رفتار کو جاری رکھ سکتا ہے۔ اِس وقت تو صورت یہ ہے کہ روس نہ بیرونی ملکوں کو اپنی بنی ہوئی چیزیں بھیجتا ہے اور نہ اِلّا ماشاء اللہ باہر سے کوئی چیزیں لیتا ہے۔ وہ اگر باہر سے کوئی چیز منگواتا ہے تو صرف اتنی جس سے اُس کے کارخانوں کی ضروریات پوری ہو سکیں۔ گویا روس کی مثال اِس وقت ایسی ہی ہے جیسے ہندوستان کا کسان اپنی زمین پر گذارہ کرتا ہے۔ اُس کے کچھ حصہ سے گڑ پیدا کر لیتا ہے

کچھ حصہ سے ماش پیدا کر لیتا ہے کچھ حصہ سے چاول پیدا کر لیتا ہے کچھ حصہ سے تل پیدا کر لیتا ہے کچھ حصہ سے گندم پیدا کر لیتا ہے اور اسطرح اپنی زندگی کے دن گذارتا رہتا ہے مگر یہ صورت حالات تمدّن کے ہر درجہ میں قائم نہیں رہ سکتی اگر یہ صورت تمدّن کے ہر درجہ میں جاری رہ سکتی تو وہ جھگڑے جو آج دنیا کے تمام ممالک میں نظر آ رہے ہیں اور جنکی وجہ سے عالمگیر جنگوں تک نوبت آچکی ہے کیوں پیدا ہوتے۔ بہرحال یہ صورت متمدّن ممالک میں قائم نہیں رہ سکتی۔

دنیا کیلئے اقتصادی طور پر ایک سخت دھکّا

دنیا کی ساری قومیں یہ تسلیم کرتی ہیں کہ کوئی ملک اکیلا زندہ نہیں رہ سکتا بلکہ وہ اس بات کا محتاج ہوتا ہے کہ دوسروں سے تعلّقات پیدا کرے اور تجربہ اس کی صداقت پر گواہ ہے۔ پس جبکہ روس ہمیشہ کیلئے ایک بند دروازہ کی پالیسی پر عمل کر کے ترقی نہیں کر سکتا تو کیا جب روسی کارخانوں کی پیداوار اس کے ملک کی ضرورت سے بڑھ جائیگی وہ اپنی صنعت کو دوسرے ممالک میں پھیلانے کی کوشش نہیں کریگا۔ دُور کیوں جائیں ان جنگ کے دنوں میں ہی روس مجبور ہُوا ہے کہ امریکہ اور انگلستان سے نہایت کثرت کے ساتھ سامان منگوائے۔ اور جس سُرعت اور تیزی کے ساتھ روس صنعت میں ترقی کر رہا ہے وہ اگر جاری رہی تو چند سالوں میں ہی روس کے صنعتی کارخانے اس قدر سامان پیدا کریں گے کہ وہ اس بات پر مجبور ہو جائیگا کہ غیر ملکوں کے پاس اُسے فروخت کرے۔ ذرا سوچو کہ جب وہ دن آئیگا تو کیا اُسوقت روس کی وہی پالیسی نہیں ہوگی جو اب بڑے بڑے تاجروں کی ہوتی ہے۔ اور کیا وہ اس مال کو فروخت کرنے کے لئے وہی طریقے اختیار نہیں کریگا جو امریکہ اور انگلستان کے بڑے بڑے تاجر اختیار کرتے ہیں یعنی کیا وہ کسی نہ کسی طرح دوسرے ممالک کو مجبور نہ کریگا کہ وہ اُس سے مال خریدیں تاکہ اُس کے اپنے ملک کے مزدور بیکار نہ رہیں اور اس کی صنعتی اور اقتصادی ترقی کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ جیسے ہندوستان کی سیاسی آزادی کا سوال آئے تو انگلستان کے بڑے بڑے مدبّر ہوُس آف کامنز میں دھوآں دھار تقریریں کرتے ہیں۔ لیکن جب اقتصادی ترقی کا سوال آ جائے تو فوراً اس کے اقتصادی اکابر کہنے لگتے ہیں کہ برطانوی مفاد کی حفاظت کر لی جائے۔ یہی حالت روس کی ہوگی لیکن جہاں انگلستان اور امریکہ کا مقابلہ دوسرے ملکوں سے صرف تاجروں کے زور پر ہوتا وہاں روس کا مقابلہ دوسرے ملکوں کے تاجروں کے ذریعہ سے نہ ہوگا بلکہ سارے روس کے اشتراکی نظام کا مقابلہ دوسرے ملکوں کے انفرادی تجار

سے ہوگا اور جس دن روس میں یہ حالت پیدا ہوئی اُسوقت روس یہ نہیں کہیگا کہ چلو ہم اپنے کارخانے بند کر دیتے ہیں ہم اپنے مزدوروں کو بیکار رہنے دیتے ہیں مگر ہم غیر ملکوں میں اپنے مال کو فروخت نہیں کرتے۔ اُسوقت وہ اپنے ہمسایہ ممالک کو مختلف ذرائع سے مجبور کریگا کہ وہ اُس سے چیزیں خریدیں۔ اور حق یہ ہے کہ وہ اُن تمام ذرائع کو استعمال میں لائیگا جو بڑے بڑے سرمایہ دار تاجر اپنے استعمال میں لاتے ہیں اور چونکہ روس کی صنعت حکومت کے ہاتھ میں ہے اس لئے حکومت کا سیاسی زور بھی اُس کے ساتھ کلّی طور پر شامل ہوگا۔ روس اِسوقت بہت بڑی طاقت ہے۔ حکومت اُس کے ہاتھ میں ہے رُعب اور دبدبہ اُس کو حاصل ہے۔ ایسی حالت میں اس کا مقابلہ چھوٹے ملک کب کر سکیں گے بلکہ انگلستان اور امریکہ کے تاجر بھی کب کر سکیں گے۔ اُسوقت روس کو صرف یہی خیال نہیں ہوگا کہ اِسطرح تجارتی نفوذ بڑھا کر اُسے روپیہ آئیگا بلکہ اُسے یہ بھی خیال ہوگا کہ اس کے نتیجہ میں ملک کا صنعتی معیار بلند ہوگا۔ مزدور بھوکا نہیں رہیگا۔ کارخانوں کو بند نہیں کرنا پڑیگا اور غیر ممالک کی دولت کو اپنی طرف زیادہ سے زیادہ کھینچا جا سکیگا۔ پس اس کے ہمسایہ کمزور ملک اِسی طرح اُس کیلئے دروازے کھولنے پر مجبور ہونگے جس طرح مغربی تجار کیلئے وہ اپنے دروازے کھولنے پر مجبور ہوتے ہیں بلکہ اس سے کہیں زیادہ اور دنیا اقتصادی طور پر ایک سخت دھکّا کھائیگی۔

بعض لوگ اِس موقعہ پر یہ خیالات پیش کر دیا کرتے ہیں کہ ہم روسی حکومت میں شامل ہو جائینگے اور اِسطرح وہی فوائد حاصل کر لیں گے جو روسی باشندے کیمونزم کی وجہ سے حاصل کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو ہم کہتے ہیں دنیا میں کتنے لوگ ہیں جو کیمونزم کی حمایت کی وجہ سے اپنے آپکو روسی حکومت میں شامل کرنے کیلئے تیار ہیں۔ کیمونسٹ طبقہ میں اکثر لوگ ایسے ہیں جو یہ تو چاہتے ہیں کہ اُن کے ملک میں بھی وہی قوانین جاری ہو جائیں جو کیمونسٹ حکومت نے اپنے ملک میں جاری کئے ہوئے ہیں مگر وہ یہ پسند نہیں کرتے کہ روسی حکومت کا انہیں جزو بنا دیا جائے انگلستان کے کیمونسٹ اِس بات کے تو خواہشمند پائے جاتے ہیں کہ روسی حکومت کے قواعد انگلستان میں بھی جاری ہو جائیں مگر وہ یہ پسند نہیں کرتے کہ انگلستان روس کا جزو بن جائے۔ بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ روس کے قواعد اپنے طور پر ملک میں جاری کر کے اُن سے فوائد حاصل کریں۔ اِسی طرح امریکہ کے کیمونسٹ یہ تو خواہش رکھتے ہیں کہ امریکہ کے لوگوں کے متعلق بھی وہی قواعد نافذ کئے جائیں جو روس نے اپنی

حکومت میں جاری کئے ہوئے ہیں مگر وہ یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ امریکہ روس کا جزو بن جائے اور وہ اُسکی سیاسی حکومت میں شامل ہو جائے۔

میں ہندوستان کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا کہ یہاں کے کمیونسٹ کیا رائے رکھتے ہیں، کیونکہ ہمارے ہندوستانی کمیونسٹ عام طور پر سوچنے کے عادی نہیں ہوتے اور زیادہ تر کم علم طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ نعرے لگانے کے عادی تو ہیں مگر اُن نعروں کی حقیقت کو اُن میں سے بہت کم طبقہ سمجھتا ہے۔ باقی لوگ جذبات کی رو میں بہ کر عقل اور فکر کو جواب دے دیتے ہیں۔ ممکن ہے ہندوستان کے نوّے فیصدی کمیونسٹ یہی چاہتے ہوں کہ بیشک ہندوستان کو روس میں ملا دیا جائے انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا لیکن باقی دنیا کے کمیونسٹ ایسا نہیں کہتے۔ اور ایسا نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ بات اُن کی تباہی اور بربادی کا موجب ہوگی۔

روسی مقبوضات میں عدم مساوات

پھر یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ ایشیائی مقبوضات اس امر کے شاہد ہیں کہ یوروپین لوگوں کی حالت اور اُن کی حالت میں بہت بڑا فرق ہے۔ میں تمام خرچ برداشت کرنے کیلئے تیار ہوں کمیونسٹ پارٹی بیشک میرا آدمی اپنے ساتھ لے اور وہ اُسے بخارا اور ماسکو وغیرہ میں لے جائے اور پھر ثابت کرے کہ بخارا کے غرباء کو بھی وہی کچھ ملتا ہے جو ماسکو کے غرباء کو ملتا ہے۔ یا بخارا کے لوگوں کے لباس اور مکان اور تعلیم وغیرہ کا اُسی طرح انتظام کیا جاتا ہے جس طرح ماسکو کے لوگوں کے لباس اور مکان اور تعلیم کا انتظام کیا جاتا ہے۔ یقیناً حالات کا جائزہ لینے پر یہی معلوم ہوگا کہ ماسکو میں اور طریق رائج ہے اور بخارا وغیرہ میں اور طریق رائج ہے۔ یہی حال دوسرے روسی ایشیائی مقبوضات کا ہے کسی اور ثبوت کی کیا ضرورت ہے ابھی دو ہفتے ہوئے روسی حکومت کی طرف سے ایشیائی مقبوضات کے متعلق یہ اعلان کیا گیا تھا کہ ان علاقوں کے حالات کی درستی کیلئے بھی اب سکیمیں تیار کی جا رہی ہیں اور آئندہ اُن کی ترقی کے متعلق بھی ایک خاص پروگرام بنایا جائیگا۔ یہ اعلان ان لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے جو اِس غلط فہمی میں مبتلا رہتے ہیں کہ جیسا سلوک روس اپنے ملک کے باشندوں سے کرتا ہے ویسا ہی سلوک وہ ایشیائی مقبوضات کے باشندوں سے بھی کرتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو یوروپی روس اور ایشیائی روس میں ایک ساتھ اور ایک ہی قسم کی اقتصادی اصلاحات عمل میں لائی جاتیں اور دونوں ملک ایک ہی وقت میں ایک سے معیار ترقی پر

پہنچ جاتے مگر ایسا نہیں ہوا پس یہ خیال واقعات کے بالکل خلاف ہے۔ اُن علاقوں میں ابھی غربا موجود ہیں۔ اُن علاقوں میں ابھی مفلوک الحال لوگ موجود ہیں مگر روسی اُن کے ساتھ وہ سلوک نہیں کرتے جو اپنے ملک کے غرباء سے یا یورپین طبقہ سے کرتے ہیں اور اُن دونوں کی حالت میں بہت بڑا فرق پایا جاتا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ کمیونزم کی بنیاد ہی مساوات پر ہے وہ ایسا نہیں کریگی کہ اپنے ملک کی طاقت بڑھانے کے لئے دوسروں کے حقوق پر چھاپہ مارنے لگے۔ مگر یہ بھی محض وہم ہے اور ع۔ "عصمت بی بی از بے چادرگی" والی بات ہے جب تک کمیونزم صنعتی پیداوار کی کمی کی وجہ سے بیرونی ملکوں یا اُن کی دولت کی ضرورت نہیں سمجھتی اُسوقت تک اُس کا یہ حال ہے لیکن جب یہ مجبوری دُور ہوئی تو وہ دوسروں سے زیادہ غیر ممالک کو لوٹنے اور اُنکی اقتصادی حالت کو تباہ و برباد کرنے کی کوشش کریگی۔ چنانچہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب تک سیاستاً روس کا اپنے ملک میں الجھاؤ تھا جارجیا بھی آزاد تھا فن لینڈ بھی آزاد تھا لٹویا بھی آزاد تھا لیتھونیا بھی آزاد تھا استھونیا بھی آزاد تھا اور روس یہ کہا کرتا تھا کہ ہمارے نظام کی یہ خوبی ہے کہ وہ دوسرے ملکوں سے الجھاؤ نہیں کرتا۔ ہم تو حریت ضمیر کے قائل ہیں۔ ہم نے اُن تمام ممالک کو آزاد کر دیا ہے جو ہم سے آزاد ہونا چاہتے تھے۔ ہم نے لٹویا لیتھونیا استھونیا فن لینڈ پولینڈ جارجیا وغیرہ ممالک کو آزاد کر دیا ہے۔ ترکوں کو آرمینیا کا وہ علاقہ جو اُن سے متعلق ہے دیدیا ہے۔ مگر جوں ہی روس کے اندرونی جھگڑے کم ہوئے جارجیا کو روس میں شامل کر لیا گیا۔ جب اور طاقت آئی تو فن لینڈ سے سرحدوں کی بحث شروع کر دی۔ اور طاقت پکڑی تو لٹویا لیتھونیا اور استھونیا کو اپنے اندر شامل کر لیا۔ رومانیہ کے بعض علاقوں کو ہتھیا لیا پھر فن لینڈ کو مغلوب کر کے اُس کے کچھ علاقے لے لئے اور باقی ملک کی آزادی کو محدود کر دیا۔ اب پولینڈ کا کچھ حصہ لیا جا رہا ہے باقی کی آزادی محدود کی جا رہی ہے اور کہا جا رہا ہے کہ روسی سرحدوں پر وہی حکومت رہ سکتی ہے جو روسی حکومت سے تعاون کرے اور اس اصل کے ماتحت پولینڈ زیکوسلوویکیا رومانیہ کے اندرونی معاملات میں دخل دیا جا رہا ہے ایران کے چشموں پر قبضہ کرنے کی سکیم تیار کی جا رہی ہے۔ ترکی سے آرمینیا کے حصوں کی واپسی اور درہ دانیال میں روسی نفاذ کو تسلیم کرنے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ کیا پُرانی امپیریل حکومتیں اس کے سوا کچھ اور کرتی تھیں؛ بلکہ کیا وہ اس سے زیادہ آہستگی اور بظاہر نرم نظر آنے والے طریق استعمال نہیں کرتی تھیں۔ انگلستان کو درہ دانیال

کی ضرورت دیر سے محسوس ہو رہی ہے مگر اس نے صدیوں میں ترکی پر اسقدر زور نہیں ڈالا جس قدر زور روس چند سالوں میں ڈال رہا ہے۔ ان امور کے ہوتے ہوئے یہ خیال کرنا کہ روس اپنی صنعتی ترقی کے بعد اسطرح اپنے ہمسایہ ملکوں کو اقتصادی غلامی اختیار کرنے پر مجبور نہیں کریگا جس طرح کہ مغربی ڈیماکریسی کے تجار اپنی حکومتوں پر زور ڈال کر اُن کے ذریعہ سے دوسرے ملکوں کو مجبور کرتے ہیں ایک وہم نہیں تو اور کیا ہے۔ واقعات نے ثابت کر دیا ہے کہ جب روس کو طاقت حاصل ہوئی سیاسی مساوات اور حریت کے وہ تمام دعوے جو روس کرتا تھا دھرے کے دھرے رہ گئے اور اب اس دعویٰ کا نشان تک مٹا جا رہا ہے کہ روس کا دوسرے ممالک سے کوئی تعلق نہیں۔ روس صرف اپنے ملک کے غربا کی روٹی اور اُن کے کپڑے کا انتظام کرنا چاہتا ہے جب سیاسی دنیا میں آکر کمیونزم کی رائے بدل گئی اور اُس نے خود اپنے بنائے ہوئے اصول کو اپنے ملک کے فائدہ اور برتری کے لئے واضح طور پر پس پشت ڈال دیا۔ جارجیا بخارا فن لینڈ لٹویا لیتھونیا استھونیا پر قبضہ کر لیا۔ فن لینڈ پولینڈ رومانیا زیکوسلویکیا کو کم و بیش سیاسی اقتدار کے تلے لے آیا۔ ایران اور ترکی کو زیر اثر لانے کے لئے جوڑ توڑ کر رہا ہے۔ چین کے حصے بخرے کرنیکی تجویزیں ہو رہی ہیں۔ آخر کس مساوات اور حریت ضمیر کے قانون کے ماتحت اُس کے لئے یہ جائز تھا کہ ان ممالک پر قبضہ کرتا کیوں فن لینڈ اپنے ملک کا ایک حصہ کاٹ کر روس کو دیتا یا کیوں لٹویا اور لیتھونیا اور استھونیا کی آزادی کو سلب کر لیا جاتا۔ کیا ان ممالک کا یہ فرض تھا کہ وہ وائٹ رشیا کی حفاظت کرتے اور اپنے آپ کو روس کیلئے قربان کر دیتے یا جارجیا اور بخارا کے فرائض میں یہ شامل تھا کہ وہ روسی حکومت میں اپنے آپ کو شامل کر دیتے۔ اگر حریت ضمیر اور مساوات اُسے جائز قرار دیتے ہیں تو اُس کے اُلٹ کیوں نہ ہوا۔ کیوں روس کا کچھ حصہ کاٹ کر فن لینڈ کو نہ دے دیا گیا تا وہ مضبوط ہو کر اپنی حفاظت کر سکے۔ کیوں نہ کچھ کچھ حصے کاٹ کر پولینڈ رومانیا ترکی اور ایران کو نہ دے دیئے گئے تا وہ مضبوط ہو جاتے۔ ان کمزور ملکوں کو حفاظت کی زیادہ ضرورت ہے یا طاقتور روس کو؟ پس حفاظت کے اصول کے لحاظ سے ان ملکوں کو اور علاقے ملنے چاہیئے تھے نہ کہ روس کو۔ مگر بات یہ ہے کہ پہلے اگر روس خاموش تھا تو محض اس لئے کہ اُس کے پاس طاقت نہیں تھی۔ جب اُس کے پاس طاقت آگئی تو یہ چھوٹی چھوٹی حکومتیں اُس کا شکار

بن گئیں مگر دنیا کی آنکھوں میں خاک جھونکنے کے لئے کہا گیا کہ ہم ان ممالک پر اسلئے قبضہ کرتے ہیں کہ روسی سرحدیں ان کے بغیر محفوظ نہیں ہیں۔ اگر یہ طریق درست ہے تو کل امریکہ والے بھی کہہ دیں گے کہ ہمارے لئے جاپانی جزیروں پر قبضہ کرنا ضروری ہے کیونکہ ہمارے ملک کی حفاظت ان کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ کہتے ہیں "زبردست کا ٹھینگا سر پر" جس کے پاس طاقت ہوتی ہے وہ کوئی نہ کوئی بہانہ پیدا کر ہی لیا کرتا ہے۔ جب روس کے پاس طاقت آئی تو اس نے بھی ڈیفنس آف سائبیریا۔ ڈیفنس آف لینن گریڈ۔ ڈیفنس آف وائٹ رشیا اور ڈیفنس آف اکرین کے بہانہ سے کئی ممالک کی آزادی کو سلب کر لیا۔ جب سیاسیات میں روس کی یہ حالت ہے تو اقتصادیات میں یہ کسطرح تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ روس دوسرے ممالک کے ساتھ مساوات کا سلوک کرنے کے لئے تیار ہو جائیگا۔ اگر کہو کہ نہیں ہم اقتصادیات کے متعلق نہیں سمجھ سکتے کہ روس ایسا کریگا۔ سیاسی صورت الگ ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دور کیوں جاتے ہو مساوات پر زور دینے والی کمیوزم کی یہ حالت ہے کہ وہ آج ایران کے تیل پر قبضہ کرنا چاہتی ہے۔ آخر سوال یہ ہے کہ کیا ایران کے لئے اپنے چشموں سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں کہ ایک دوسرا ملک اس سے مطالبہ کرتا ہے کہ تیل کے چشموں سے اسے فائدہ اٹھانے دیا جائے۔ جب ایران کو خود اپنے لئے تیل کے چشموں کی ضرورت ہے جب اس کے اپنے آدمی بھوکے مر رہے ہیں تو روس نے اس سے یہ کیوں مطالبہ کیا۔ اگر مساوات اور بنی نوع انسان کی ہمدردی مقصود تھی تو کیوں ایران کو بغیر سود کے روپیہ نہ دیدیا کہ اپنے تیل کے چشموں کو کھودو اور ان سے اپنے ملک کی حالت کو درست کرو۔ کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ طاقت حاصل ہونے کے نتیجہ میں روس اب یہ چاہتا ہے کہ ایران سے اس کے تیل کے چشمے بھی چھین لے اور خود ان پر قابض ہو جائے۔

بعض لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ انگریزوں نے بھی تو ایران کے تیل کے چشموں پر قبضہ کیا ہوا ہے۔ یہ جواب یہ ہے کہ انہوں نے بھی اچھا نہیں کیا۔ مگر میں تو یہ کہہ رہا ہوں اگر انگریزوں نے اچھا نہیں کیا تو روس نے بھی اچھا نہیں کیا۔ تم اس کو بھی گالیاں دو اور اس کو بھی برا بھلا کہو۔ مگر یہ کیا کہ انگریز ایک کام کریں تو انہیں برا بھلا کہا جائے اور ویسا ہی کام روسی کریں تو انہیں کچھ نہ کہا جائے بلکہ ان کی تعریف کی جائے۔ اگر انگریزوں نے آبادان کے چشموں پر قبضہ کیا ہوا ہے تو روس کا مطالبہ بھی تو اس بات کا ثبوت ہے کہ

اقتصادیات میں کمیونزم پرانے امپیریلسٹک پالیسی والے ملکوں سے کوئی جداگانہ راہ نہیں رکھتا اور وہ بھی غیر ملکوں سے مساوات کا سلوک کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اگر وہ مساوات کے لئے تیار ہے تو کیا اگر ایرانی یہ مطالبہ کریں کہ ہمیں باکو کے چشموں سے فائدہ اٹھانے دیا جائے تو روسی کہیں گے بہت اچھا آجاؤ اور باکو کے چشموں پر قبضہ کر لو۔ اگر مساوات کا سلوک کیا جاتا تو ایران سے کہا جاتا کہ تمہارا بھی حق ہے کہ مجھ سے مانگو اور میرا بھی حق ہے کہ میں تم سے مانگوں مگر روس اس طرف آتا ہی نہیں۔ اور ابھی تو یہ ابتداء ہے جب کمیونزم کی صنعت و حرفت بڑھے گی دوسرے ملک اس طرح چلائیں گے کہ پہلے کبھی نہیں چلائے اور اس سے زیادہ اُن کی صنعت کو کچلا جائے گا جس قدر کہ پہلے کبھی کچلا گیا۔ کیونکہ کمیونزم نے صرف فردی کیپٹل ازم کو کچلا ہے اجتماعی کیپٹل ازم کو نہیں بلکہ اجتماعی کیپٹل ازم کو اسقدر طاقت دے دی ہے کہ اس سے پہلے اُسے کبھی نصیب نہیں ہوئی اور اجتماعی کیپٹل ازم ہی سب سے زیادہ خطرناک شے ہے۔ امریکہ نے ٹرسٹ سسٹم اور کارٹل سسٹم کے خلاف قانون اسی لئے پاس کیا ہے۔

ایک خطرناک کیپٹلزم کا اجراء اور اس کے انسداد کی دو صورتیں

اقتصادی تجربہ اس بات کا شاہد ہے کہ انفرادی تاجر کبھی اتنے کامیاب نہیں ہوئے جسقدر کہ کمپنیاں۔ اور کمپنیاں کبھی اتنی کامیاب نہیں ہوئیں جسقدر کہ ٹرسٹ۔ اور ٹرسٹ بھی اتنے کامیاب نہیں ہوئے جسقدر کہ کارٹل۔ اور کارٹل بھی اتنے کامیاب نہیں ہوئے جسقدر کہ وہ کمپنیاں کامیاب ہونگی جن کے پیچھے سارے ملک کی دولت اور سیاست ہوگی۔ جیسا کہ روس میں کیا جا رہا ہے۔ افراد کی کمپنیوں کا مقابلہ چھوٹے ملک اور غیر منظم بڑے ملک کر سکتے تھے۔ مگر اجتماعی حکومتی کیپٹل ازم کا مقابلہ چھوٹے ملک اور بڑے (لیکن کمزور) ملک کسی صورت میں نہیں کر سکتے۔

اس سے پہلے بھی بڑے صناع ملک چھوٹے ملکوں پر اقتدار پیدا کر لیتے تھے۔ لیکن انفرادی کیپٹلزم کی موجودگی میں ضروری نہ تھا کہ جو ملک چھوٹا ہو اس میں کیپٹلسٹ نہ ہوں۔ چونکہ مقابلہ افراد میں تھا اسلئے باوجود ملک کے چھوٹا ہونے کے اس کے کچھ افراد بڑے اور منظم ملک کا مقابلہ کرتے رہتے تھے۔ کیونکہ وہ بھی کیپٹلسٹ ہوتے تھے۔ انگلستان نہایت منظم صنعتی ملک ہے مگر باوجود اسکے ہالینڈ بلجیم سوئٹزرلینڈ

جیسے ملکوں کے بعض کیپٹلیسٹ انگلستان کے کیپٹلیسٹوں کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ کیونکہ مقابلہ انگلستان اور ہالینڈ یا انگلستان اور بلجیم اور انگلستان اور سوئٹزرلینڈ کا نہ تھا بلکہ مقابلہ انگلستان اور ہالینڈ کے اور انگلستان اور بلجیم۔ اور انگلستان اور سوئٹزرلینڈ کے دو کیپٹلیسٹوں کا تھا۔ اور ایسے مقابلہ میں چھوٹے ملک کے کیپٹلیسٹوں کے لئے بھی آگے نکلنے کا کچھ نہ کچھ راستہ کھلا رہتا ہے اور اسلئے آگے نکلنے سے ملک کا دوسرا طبقہ بھی فائدہ اٹھا لیتا ہے۔ یہ فرق ایسا ہی ہے جیسا کہ انگلستان اور بلجیم کی فوجیں سامنے آئیں تو بلجیم مقابلہ نہیں کر سکتا لیکن انگلستان کا کوئی سپاہی بلجیم کے کسی سپاہی کے مقابلہ پر آ جائے تو بلجیم کا سپاہی انگلستان کے سپاہی پر غالب آ سکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ فردی کیپٹلزم بھی ایک خطرناک شے ہے۔ مگر اس کے باوجود خود اس ملک کے لوگوں اور اس کے حریف ملکوں کے لوگوں کے لئے کچھ نہ کچھ راستہ بچاؤ کا کھلا رہتا ہے۔ لیکن حکومتی کیپٹلزم کے سامنے چھوٹے اور غیر منظم ملک بالکل نہیں ٹھیر سکتے اور ان کے بچنے کی کوئی ممکن صورت ہی باقی نہیں رہتی اور یہ مقابلہ ایسا ہی عبث ہو جاتا ہے جیسا کہ ایک مشین گن رکھنے والی فوج کے مقابل پر سونٹے لے کر نکلنے والی فوج عبث اور بیکار ہوتی ہے۔ کمیونزم نے ملکی اجتماعی کیپٹلزم کا طریق جاری کر کے جس میں سارے ملک کی دولت اور اس کی سیاسی برتری مجموعی طور پر دوسرے ملکوں کے منفرد صناعوں اور تاجروں کے مقابل پر کھڑی ہوتی ہے ایک ایسا طریق رائج کیا ہے جو دنیا کے اقتصادی نظام کو بالکل تہ و بالا کر دیگا لوگ ٹرسٹوں اور کارٹلز کے خلاف شور مچا رہے تھے اور ان کے ظلموں کے شاکی تھے۔ مگر کمیونزم نظام کے ماتحت ترقی کرنے والی صنعت و حرفت تمام دوسرے ملکوں کے لئے ایسی خطرناک ثابت ہوگی کہ اس کے مقابلہ پر ٹرسٹ تو کیا کارٹلز بھی ایسے معلوم ہونگے جیسے ایک دیو کے مقابلہ پر ایک پانچ سالہ لڑکا۔ انگلستان کا ایک بڑا تاجر امریکہ کے ایک بڑے تاجر کا مقابلہ تو کر سکتا تھا۔ اگر مقابلہ نہ ہو سکتا تھا تو انگلستان کے چند تاجر مل کر ایک ٹرسٹ بنا لیتے تھے۔ اگر جرمنی کی سائنٹیفک مصنوعات کا مقابلہ امریکہ اور انگلستان کے صناعوں کے لئے مشکل ہوتا تو دونوں ملکوں کے تاجر مل کر ایک کارٹل کے حصہ دار ہو جاتے تھے۔ مگر کمیونزم کی صنعت کا مقابلہ کوئی زبردست سے زبردست کارٹل بھی کس طرح کر سکتا ہے

کیونکہ کیمونزم کے ترقی یافتہ کارخانوں کی مدد پر ایک یا دو تاجر نہ ہونگے بلکہ سب ملک کی دولت ہوگی اور تاجروں کی دولت ہی نہ ہوگی روس کی ڈپلومیٹک فوج اور لڑنے والی فوج اور اس کا بحری بیڑا بھی ہوگا کیونکہ اس کے کارخانہ کی ناکامی کسی ایک فرد یا کمپنی کی ناکامی نہ ہوگی بلکہ خود روسی حکومت کی ناکامی ہوگی۔ کیونکہ کیمونزم کے نظام صنعت وحرفت کے کارخانے حکومت کے قبضہ اور انتظام میں ہونگے۔ پس جس صنعت کو یہ مدد حاصل ہوگی اس کا مقابلہ غیر ملکوں کے تاجر یا ٹرسٹ یا کئی ملکوں کے اشتراک سے بنے ہوئے کارٹلز بھی کس طرح کر سکتے ہیں

پس رشین کیمونزم نے ایک نہایت خطرناک کیپٹلزم کا راستہ کھولا ہے جس کی مثال اس سے پہلے نہیں ملتی۔ اس کا مقابلہ ان دو ہی صورتوں سے ہو سکتا ہے (۱) سب دنیا ایک ہی نظام میں پروئی جائے یعنی سب ملک روسی حکومت کا جزو بن جائیں اور اس طرح آئندہ غیر مساوی مقابلہ کو بند کر دیں۔ مگر کیا کیمونزم میں کوئی ایسے اشتراک کی گنجائش ہے؟ یا کیا غیر ملکوں کے لوگ مثلاً انگلستان امریکہ فرانس کے لوگ اس امر کیلئے تیار ہیں کہ اس آئندہ آنے والے خطرہ سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو روسی حکومت میں شامل کر دیں اور کیا اس کی کوئی معقول امید ہے کہ اگر وہ ایسا کر بھی دیں تو وہ روسیوں کے ساتھ ہر جہت سے مساوی حقوق حاصل کر لیں گے۔ اگر یہ دونوں باتیں ناممکن ہیں جیسا کہ میرے نزدیک ہر عقلمند انسان انہیں ناممکن کہیگا تو پھر یہ علاج تو بیکار ہوا۔ (۲) دوسرا ممکن علاج اس خطرہ کا یہ ہو سکتا ہے کہ سب دنیا کے ملک کیمونزم سسٹم کے مطابق الگ الگ نظام قائم کریں۔ مگر سب دنیا کیمونزم میں آجائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ چند حکومتی ٹرسٹ ایک دوسرے کا مقابلہ کریں گے اور وہ حالت موجودہ حالت سے بہت زیادہ خطرناک ہو جائیگی۔ اس تبدیلی سے صرف یہ فرق پڑیگا کہ پہلے تو ہندوستان کے تاجر کا رشیا کے تاجر سے مقابلہ ہوا کرتا تھا مگر پھر ہندوستانی حکومت کے صنعتی ادارہ کا مقابلہ روسی حکومت کے صنعتی ادارہ سے ہوگا۔ گویا اب تو جنگ کبھی کبھار ہوتی ہے اُس وقت ایک مستقل جنگ دنیا میں جاری ہو جائیگی ہر تجارتی دفتر کا افسر درحقیقت ایک سفیر ہوگا اور ہر تجارتی مال اپنی حفاظت کیلئے اپنے ملک کی فوج اور اس کا بیڑا ساتھ رکھتا ہوگا۔ تجارتی نزاع تاجروں میں نہیں حکومتوں میں ہونگے اور لین دین کے لئے کمپنیوں کے منیجر نہیں بلکہ حکومتوں کے وزیر خط وکتابت کریں گے۔ اس نظام میں کسی چھوٹے ملک یا غیر منظم کو کوئی جگہ ہی نہیں مل سکتی۔ چھوٹے ملک اور

غیر منظم ملک اس نظام کے جاری ہونے پر اپنی حریت پوری طرح کھو بیٹھیں گے اور صرف بڑے ملکوں کی چراگاہیں بن کر رہ جائیں گے اور جو ملک منظم اور بڑے ہونگے اُن میں پہلے کی طرح مقابلہ جاری رہیگا صرف فرق یہ ہوگا کہ پہلے تو زید اور بکر کا تجارتی مقابلہ ہوتا تھا آئیندہ حکومت کا حکومت سے تجارتی مقابلہ ہوگا۔

اگر یہ خیال کیا جائے کہ سب لوگ مل کر ایک بانصاف معاہدہ کریں گے تو یہ بھی درست نہیں۔ آج کا روس کل کا روس نہیں اور کل کا روس آج کا نہ ہوگا جب اس کی صنعت وحرفت ترقی کریگی اور جب اسکی دولت بڑھیگی وہ دوسروں سے اپنی دولت بانٹنے کے لئے تیار نہیں ہوگا بلکہ وہ تو آج بھی تیار نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ ایران کے تیل پر کیوں قبضہ کرنا چاہتا۔

روس کا فعل اپنے قول کے خلاف

روس کا تھری بگز (Three Bigs) میں شامل ہونا بھی اس کے اپنے اصول سے ہٹنے پر دلالت کرتا ہے۔ آخر ان تین بڑوں کے علاوہ جو دوسری حکومتیں ہیں وہ کیا چیز ہیں۔ سمجھ لو کہ طاقتور آدمی کے مقابل پر کمزور اور غریب آدمی کی حیثیت رکھتی ہیں بلجیم کیا ہے ایک کمزور اور غریب آدمی۔ ہالینڈ کیا ہے ایک کمزور اور غریب آدمی۔ روس انگلستان اور امریکہ کیا ہیں مضبوط پہلوان اور کروڑپتی تاجر۔ اگر روس اپنے اصول میں سچائی پر قائم ہے تو اُسے ان کمزور اور غریب ممالک کے ساتھ ایک ہی صف میں اپنے آپ کو کھڑا کرنا چاہیئے تھا اور کہنا چاہیئے تھا کہ ہمارا اصول یہ ہے کہ سب انسان برابر ہیں۔ ہم اپنے اور ان کمزور حکومتوں میں کوئی فرق نہیں کرنا چاہتے۔ جیسے ہمیں اپنی جان پیاری ہے ویسے ہی ان کو پیاری ہے۔ جیسے ہمیں اپنے ملک کا فائدہ مدنظر ہے ویسے ہی انکو مدنظر ہے۔ پس حکومتوں کی مشاورتی مجالس میں ہم میں اور کمزور حکومتوں میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہیئے کہ ہر ایک نے اپنے حقوق کی حفاظت کرنی ہے۔ مگر روس کی کمیونسٹ حکومت نے ایسا نہیں کیا۔ اُس نے یہ مطالبہ کیا کہ تین بڑوں کے مشورہ سے سب اصول اور امور طے ہوں۔ اُس نے اپنی آواز کی اور قیمت قرار دی ہے اور بلجیم اور ہالینڈ کی اور۔ اگر بلجیم اور ہالینڈ کی آوازوں اور روس کی آواز میں فرق ہے۔ اگر کمزور کو طاقتور قوم کے مقابل پر نہیں لایا جاسکتا۔ اگر ایک غریب قوم کے ساتھ مساوات کا سلوک نہیں کیا جاسکتا تو فرد کو فرد کے مقابل پر مساوات کیوں دی جائے ایک عالم اور جاہل اور ذہین اور کند ذہن

میں جو قدرتی فرق ہے اُسے کیوں مٹایا جائے اور روس کا خود تھری بگز میں شامل ہونا اور اِن تین بڑوں یا پانچ بڑوں کے اصول پر زور دینا بتاتا ہے کہ کمیونزم کا مساوات کا اصول بالکل غلط اور دکھاوے کا ہے۔ اگر بڑی حکومت چھوٹی حکومت کے مقابل میں امتیازی سلوک کی مستحق ہے۔ تو عالم جاہل کے مقابل پر اور فطرتی صنّاع اور تاجر ایک کودن صنّاع اور غیر تجربہ کار تاجر کے مقابل پر اپنے فن سے فائدہ اٹھانے کا کیوں مستحق نہیں ایک بڑی قوم کے مقابل پر ایک چھوٹی قوم کو نیچا کر دینا اُس سے زیادہ خطرناک ہے جتنا کہ ایک شخص کا اپنی قابلیت سے دوسرے سے کچھ آگے نکل جانا خصوصاً جب کہ طبعی مساوات کے قیام کے لئے اسلام کے مقرر کردہ پاکیزہ اصول موجود ہوں۔

اِس موقعہ پر مجھے ہندوستان کے ایک بڑے لیڈر کا ایک واقعہ یاد آگیا۔ ایک دفعہ ایک مقام پر بعض مسائل کے متعلق غور کرنے کے لئے بہت سے لیڈر ہندوستان کے مختلف مقامات سے جمع ہوگئے۔ مجھے بھی سر سکندر مرحوم اور سر فیروز خان نون نے تار دیکر بلوایا۔ یہ مجلس شملہ میں ہوئی تھی۔ غالباً ستّر یا اسّی لیڈر تھے جو مختلف مقامات سے شامل ہونے کے لئے آئے تھے۔ جب اتنے بڑے لیڈروں کو اُس لیڈر نے اکٹھے دیکھا تو انہیں بہت بُرا لگا کہ ہندوستان کے اتنے لیڈر ہیں اور انہوں نے اپنی تقریر میں کہا۔ کہ بڑے معاملات اتنے بڑے اجتماعوں میں طے نہیں ہو سکتے بہتر ہوگا کہ ہم چند لیڈروں کے لیڈر (WE LEADERS OF LEADERS) اس میں بیٹھ کر فیصلہ کر کے ان لوگوں کو سنا دیں۔ یہی حال روس کا ہے۔ زید اور بکر کے متعلق تو کہا جاتا ہے کہ اُن میں مساوات ہونی چاہیئے مگر جب حکومت کا سوال آتا ہے تو کہا جاتا ہے ہم تین بڑی حکومتیں مل کر جو فیصلہ کریں گی وہی تمام اقوام کو ماننا پڑیگا۔ اُن کا حق نہیں کہ وہ ہمارے ساتھ شامل ہوں یا ہماری کانفرنس میں شریک ہوں۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے۔ سوائے اس کے کہ روس کے پاس توپیں زیادہ ہیں اور دوسروں کے پاس توپیں کم ہیں۔ روس کے پاس ٹینک اور ہوائی جہاز اور فوجیں زیادہ ہیں لیکن بلجیم فرانس اور ہالینڈ کے پاس کم ہیں۔ اگر سامان حرب کی کثرت کی وجہ سے روس اِس بات کا حق رکھتا ہے کہ اس کی آواز کو دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ وقعت دی جائے اور وہ دوسرے چھوٹے ملکوں کے برابر ہونے کے لئے تیار نہیں ہے۔ تو وہ کل کو اُن کو اپنے اقتصادی پروگرام میں شامل کسطرح کریگا۔ جو ملک اِس

بات کے لئے تیار نہیں ہے کہ وہ دوسرے ملکوں کی رائے کو کوئی وقعت دے یا ان کو مجلس صلح میں بٹھائے وہ اُن کو کھانا اور کپڑا دینے کیلئے کس طرح تیار ہوگا۔ یقیناً جب روس کی انڈسٹری بڑھیگی تو وہ اپنی منڈیوں کے لئے منڈیٹس (Mandates) چاہیگا برابر کے شریک نہیں۔

غرض سرمایہ داری مُردہ باد کا کوئی سوال نہیں۔ یہ محض وہم ہے جو لوگوں کے اندر پایا جاتا ہے۔ اصل سلوگن یہ ہے کہ الف کی سرمایہ داری مُردہ باد اور ملک، روس کی سرمایہ داری زندہ باد۔ اور اس کا انجام تم خود سوچ لو۔ الف اور ب کی سرمایہ داری کا تو لوگ مقابلہ بھی کر سکتے تھے مگر وہ روس کی حکومتی سرمایہ داری کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔

روس میں غیر روسی کے داخلے کا امتناع

روس اپنی کمزوری کو خود بھی محسوس کرتا ہے اور اسی وجہ سے وہ غیر ممالک کے تعلقات کو سختی سے روکے ہوئے ہے چنانچہ حال ہی میں مسٹر مرگن حال ممبر پارلیمنٹ انگلستان روس میں دورہ کر کے آئے ہیں۔ انہوں نے اس دورہ کا مفصل ذکر ایک مضمون میں کیا ہے جو "Soviet Union" کے ماہ جون کے پرچہ میں شائع ہوا ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں: "روسی گورنمنٹ نہیں چاہتی کہ روس کی قوم آزادی سے اور بغیر کسی روک کے ہمارے خیالات سے یا کسی اور خیال سے جو روسی نہ ہو واقف ہو سکے۔" پھر کہتے ہیں: "اگر کوئی شخص روسی طرز زندگی کو براہ راست نہیں سمجھ سکتا بجز روسی سرکاری ذرائع کے۔ اور یہ مشکل ابھی کتنے ہی سال تک رہیگی۔" پھر بھی پچھلے دنوں روس کے ماہرین یہاں آئے تھے۔ امریکہ کے بعض ماہرین بھی اُن کے ساتھ تھے۔ وہ سب سے زیادہ ہندوستان کی حالت کو دیکھ کر حیران ہوئے کیونکہ اُن کے پاس تو ایک پیسہ بھی نہیں ہوتا کہ وہ سفر کر سکیں لیکن ہندوستان کا شخص جہاں بھی چاہے آسانی کے ساتھ آجا سکتا ہے۔ اسلئے جب انہوں نے اپنی حکومت کے خرچ پر ہندوستان دیکھا تو انہیں اس طرح نظر آیا جیسے مر کر انسان اگلے جہان کو دیکھتا ہے۔ یہ نتیجہ تھا اُن کی ناواقفیت کا مگر یہ قوم کو حدود میں رکھنے کا معاملہ کب تک چلیگا۔ ایک دن یہ دیوار ٹوٹے گی اور دنیا ایک نئی صورت دیکھیگی۔

روسی اقتصادیات کے متعلق بعض غور طلب باتیں

روس کی عملی مساوات میں بھی مجھے شبہ ہے مگر وہاں کے پورے حالات چونکہ معلوم نہیں ہوتے اسلئے زیادہ کچھ

نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن مجھے قطعی طور پر معلوم ہوا ہے کہ روسی سپاہی کا لباس نہایت بوسیدہ ہوتا ہے۔ یہ رپورٹیں مجھے اپنی جماعت کے بعض احمدی افسروں اور بعض احمدی سپاہیوں نے پہنچائی ہیں جنہیں فوج میں ایسے مقامات پر کام کرنے کا موقع ملا جہاں روسی افسر اور روسی سپاہی بھی اُن کے ساتھ تھے۔ انہوں نے بتایا کہ روسی سپاہی کا لباس خصوصاً ایشیائی سپاہی کا لباس نہایت ادنیٰ ہوتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں مارشل ٹموشنکو اور مارشل کونیف کی تصویروں کو دیکھا جائے تو انہوں نے نہایت قیمتی تمغے لگائے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کا لباس بھی بڑا خوبصورت ہوتا ہے۔ مارشل کا تمغہ ساٹھ ہزار کی قیمت کا ہوتا ہے۔ اس طمغہ سے ہی اقتصادی مساوات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

مساوات کے دعویٰ کی عملاً تغلیط

پھر کمیونزم میں جو مساوات پائی جاتی ہے اُس کا اس سے بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ موسیو سٹالن نے اپنی جنگ کے ایام میں مسٹر چرچل کی ایک ملاقات کے موقعہ پر اُن کے اعزاز میں ایک دعوت دی تو اس موقعہ پر بڑی تعداد میں کھانے تیار کئے گئے جو موسیو سٹالن اور ان دوسرے لوگوں نے کھائے جو اس دعوت میں شریک تھے۔ مسٹر چرچل جب انگلستان واپس گئے تو کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اس دعوت کا ذکر کرتے ہوئے ایک موقعہ پر کہا کہ کاش مجھے اپنے کیپٹلسٹ ملک میں وہ کھانے میسر آتے جو پرولی ٹیری ایٹ (Proletariate) حکومت میں مجھے کھانے کو ملے۔ اگر وہاں واقعہ میں مساوات پائی جاتی ہے تو کیا ماسکو کے ہر شہری کو اسی طرح ساٹھ ساٹھ کھانے ملا کرتے ہیں۔ اگر نہیں تو یہ امور صاف طور پر بتاتے ہیں کہ کامل مساوات کا سوال ابھی حل نہیں ہوا۔ اور نہ حل ہوگا۔ تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ مجبوری تھی کیونکہ ان جنگ کے دنوں میں انگلستان کی حکومتی دعوتیں بھی بہت سادہ ہوتی ہیں۔ اس سے بہت سادہ دعوت بھی کافی ہوسکتی تھی مگر اصل میں تو روسی دبدبہ دکھانا مدنظر تھا اور یہی جذبہ مساوات کی روح کو کچلنے کا موجب ہوا کرتا ہے۔ دوسرے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آہستہ آہستہ مساوات کے معنے روس میں بدل رہے ہیں اور ایک نیا طبقہ امراء کا وہاں پیدا ہو رہا ہے۔ جس کی بنیاد کمیونسٹ پارٹی نے پیدا کئے ہوئے رسوخ پر ہے۔ پس مساوات کی شکل بدلی ہے چیز اسی طرح قائم ہے جس طرح پہلے تھی۔

اس تقریر کے مسودہ پر نظرِ ثانی کرتے ہوئے ایک خبر روس کی اس عدم مساوات کے بارہ میں ملی ہے جسے میں اس جگہ نقل کر دینا چاہتا ہوں کیونکہ وہ میرے مضمون کے اس حصہ پر روشنی ڈالتی ہے اور اس کی تائید میں ہے۔ آسٹریلیا کے مشہور اخبار "سن" نے اپنے کینبرا کے نامہ نگار کی رپورٹ پر یہ خبر شائع کی ہے کہ آسٹریلین وزیر متعینہ روس نے اپنی رخصت کے ایام میں آسٹریلیا کی پارلیمنٹری سنسر پارٹی کی ایک مجلس میں مندرجہ ذیل واقعات بیان کئے :-

(۱) روس میں ایک نئی دولتمندوں کی جماعت پیدا ہو رہی ہے کیونکہ عام لوگوں کی نسبت کمیونسٹ پارٹی کے سربرآوردہ ممبروں اور صنعتی ماہروں" سے بہت ہی زیادہ بہتر سلوک کیا جاتا ہے۔

(۲) رسٹورنٹوں میں پانچ قسم کی غذا تیار ہوتی ہے جس کے ٹکٹ کمیونسٹ پارٹی میں رسوخ اور کام کی نوعیت کے مطابق تقسیم ہوتے ہیں (یعنی اول درجہ کو اوّل درجہ کا کھانا دوسرے درجہ والے کو دوسرے درجہ کا کھانا اور اسی طرح آخر تک)

(۳) یہ کہ ان امتیازی سلوکوں کے نتیجہ میں افراد کے درجوں کا فرق ویسا ہی نمایاں ہے جیسا کہ زار روس کے زمانہ میں تھا۔

(۴) یہ کہ جہاں دوسرے ملکوں میں بلیک مارکیٹ چور تاجر چلاتے ہیں روس میں خود حکومت کی طرف سے علی الاعلان یہ مارکیٹ جاری ہے۔

(۵) اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بڑے عہدہ والے لوگ قریباً ہر چیز حاصل کر سکتے ہیں جبکہ عام کارکن اپنی ضروریات زندگی سے محروم ہے۔

آسٹریلین وزیر نے اس خبر کے شائع ہونے پر اظہار افسوس کیا ہے اور لکھا ہے کہ ہماری حکومت اور روس کے درمیان تعلقات خراب کرنے کی کوشش کی گئی ہے مگر اس خبر کا انکار نہیں کیا گیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ انکار سیاسی ہے حقیقی نہیں۔

یہ خبر وضاحت سے اس اندازہ کی تصدیق کرتی ہے جو میں نے اپنے لیکچر میں سوویٹ کے مستقبل کے متعلق لگایا تھا۔ کہ آئندہ ایک نیا طبقہ امراء کا پیدا ہونا ضروری ہے کیونکہ لیاقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا

یہ ظاہر ہے کہ چونکہ اسلامی حدبندیاں اس ممتاز طبقہ کو حدود کے اندر رکھنے کے لئے کمیونزم میں موجود نہیں یہ طبقہ آخر کمیونسٹ حکومتوں کو پھر پرانے اصول کی طرف لے جائیگا اور کمیونسٹ کی بغاوت کا صرف ایک ہی نتیجہ نکلیگا کہ روس کو اقوام عالم میں ایک نمایاں حیثیت حاصل ہو جائیگی اور امپیریلسٹک حکومتوں کی نفع اندوزی میں وہ بھی شریک ہو جائیگا اور ورلڈ پرالیٹریٹ یعنی دنیا کی حکومت عوام کا اصل ایک خواب کی شکل میں تبدیل ہو جائیگا ایسا خواب جو کبھی بھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوا کیونکہ کمیونزم فلسفہ انسانی ہمدردی کے اصول پر نہیں بلکہ زار کی حکومت سے انتقام کے اصول پر مبنی ہے ۔

روسی سپاہیوں کا تمدنی معیار

اس موقعہ پر ضمناً میں روسی سپاہیوں کے تمدنی معیار کے متعلق بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں ۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ ایران میں سے بنزائن کی ایک گاڑی گذر رہی تھی کہ ایک ڈرم میں سوراخ ہو گیا اور اس میں سے بنزائن بہنے لگا ۔ روسی سپاہیوں نے جب یہ دیکھا تو انہوں نے سمجھا کہ شاید رَم (RUM) یا بیئر (BEER) ہے ۔ چنانچہ انہوں نے بنزائن کو شراب سمجھ کر پینا شروع کر دیا ۔ قریباً ایک ہزار روسی سپاہیوں نے یہ بنزائن استعمال کی اور اُن میں سے درجنوں اس کے زہر کی وجہ سے مر گئے اور سینکڑوں بیمار ہو گئے ۔ قومی خدمت کا یہ ایک بہت بُرا نمونہ ہے ۔ اتنے سپاہیوں کا اپنے قومی فرض کو بھول جانا اور بجائے قومی مال کی حفاظت کے اُسے اپنے استعمال میں لانے کی کوشش کرنا بتاتا ہے کہ عام سپاہی کی اقتصادی حالت اسقدر اچھی نہیں کہ وہ حقیقی یا فرضی لالچوں سے اپنے آپ کو بچا سکیں ۔ یہ واقعہ بتاتا ہے کہ کم سے کم ایران میں رہنے والے روسی سپاہیوں کی حالت ایسی نہیں کہ یہ کہا جا سکے کہ روس نے اُن کی حالت کو بدل دیا ہے ۔

کمیونزم کے دعوٰی مساوات کے متعلق بعض حل طلب سوالات

انڈسٹری کے متعلق یہ حل طلب سوال ہے کہ کیا ہر انڈسٹری میں ایک سا کام ہے ۔ کوئلہ کی کان میں اور قسم کا کام ہے اور دوکان میں بیٹھنے کا اور کام ہے ۔ پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ درزی کو اور سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے اور جوہری کو اور کی ۔ اِس کا کمیونزم میں کیا حل سوچا گیا ہے کیا دوکانوں کا سرمایہ سب حکومت کا ہوتا ہے اور وہاں کی سب تجارت حکومت کے ہاتھ میں ہے ۔ پھر

یہ بھی سوال ہے کہ اچھے اور بُرے ڈاکٹر اور اچھے اور بُرے وکیل کی فیس ایک ہی ہے یا اس میں اختلاف ہے۔ اگر اختلاف ہے تو کیوں؟ اگر نہیں تو سوال یہ ہے کہ کیا سب لوگ اچھے ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں اگر جاتے ہیں تو بہرحال وہ سب کا علاج نہیں کر سکتا پھر وہ کیا کرتا ہے؟ یا سب لوگ اچھے وکیل کے پاس جاتے ہیں۔ اگر جاتے ہیں تو وہ سب کے مقدمات نہیں لڑ سکتا۔ اگر سب مقدمات نہیں لیتا تو وہ اُن کا انتخاب کس طرح کرتا ہے؟ ایسے ہی بیسیوں سوالات ہیں جن پر غور کر کے مساوات کا حقیقی علم حاصل ہو سکتا ہے۔ ان سوالات کے بغیر حقیقی مساوات کا علم ناممکن ہے۔ مگر ان کے معلوم کرنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے اور جب تک ان باتوں کا جواب مہیّا نہ کیا جائے کمیونزم کے حامی مساوات کا دعویٰ کرنے میں غلطی پر ہیں۔

صحیح اقتصادی نظام

ان تمام باتوں پر غور کرنے کے بعد میں سمجھتا ہوں ہر عقلمند انسان اس نتیجہ پر ہی پہنچیگا کہ اصل اقتصادی نظام وہی ہے جو مذہب کے لئے گنجائش رکھے کیونکہ تھوڑے عرصہ پر اثر انداز ہونے والی اقتصادیات پر ایک لمبے عرصہ پر اثر انداز ہونے والی اقتصادیات کو قربان نہیں کیا جا سکتا اور اقتصادیات وہی اچھے ہیں جن میں ہر فرد کی ضروریات کو پورا کرنے کا سامان ہو۔ مگر اس کے ساتھ ہی ایک حد تک فردی ترقی کا راستہ بھی کھلا ہو تاکہ نیک رقابت پیدا ہو اور بُری رقابت کچلی جائے۔

اصل بات یہ ہے کہ کمیونزم ایک ردِّعمل ہے لمبے ظلم کا۔ اسی وجہ سے یہ ظلم کے علاقوں میں کامیاب ہے لیکن امریکہ اور انگلستان وغیرہ میں کامیاب نہیں۔ اسی طرح نیشنلسٹ اور سوشلسٹ علاقوں میں بھی کامیاب نہیں۔ کچھ عرصہ ہوا امریکہ کے ایک اخبار نے مزدوروں سے یہ سوال کیا کہ تم اپنے آپ کو کیپٹلسٹ سمجھتے ہو یا مڈل کلاس (*Middle Class*) میں سے سمجھتے ہو یا غریب کلاس میں سے سمجھتے ہو۔ اس سوال کے جواب میں اکثر جوابات میں یہ کہا گیا تھا کہ ہم اپنے آپ کو مڈل کلاس (*Middle Class*) میں سے سمجھتے ہیں جس کے معنے یہ ہیں کہ امریکہ کے مزدور کو یہ خیال بھی نہیں آتا کہ وہ غرباء میں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کمیونزم امریکہ میں انگلستان سے بھی زیادہ ناکام رہا ہے کیونکہ وہاں دولت بہت زیادہ ہے اور دولت کی کثرت کی وجہ سے

مزدوروں میں یہ احساس ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ غریب ہیں یا انہیں اپنے لئے کسی ایسے نظام کی ضرورت ہے، جو اُن کی اس تکلیف کو دور کر سکے جس کا روٹی یا کپڑے کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔

پس اصل علاج یہی ہے کہ (۱) اسلامی تعلیم کے ماتحت غرباء کو اُن کا حق دیا جائے اور (۲) اُمیدوں اور اُمنگوں کو بڑھا دیا جائے جیسے جرمنی اور اٹلی نے اپنے ملک کے لوگوں کو روپیہ نہیں دیا لیکن اُس نے اُن کی اُمنگوں کو بڑھا دیا جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ وہ اپنے آپ کو غالب اور فاتح اقوام میں سے سمجھنے لگے۔ ترقی کیلئے اُمنگ کا پیدا ہونا نہایت ضروری ہُوا کرتا ہے جس قوم کے دلوں میں سے اُمنگیں مٹ جائیں اُسکی اُمیدیں مر جائیں اُس کے جذبات سرد ہو جائیں اور غرباء کے حقوق کو بھی وہ نظر انداز کر دے اُس قوم کی تباہی یقینی ہوتی ہے۔

غرباء کی ضروریات کے متعلق امیروں کا فرض

پس ہمارے ملک کے اُمراء کو چاہیئے کہ وہ وقت پر اپنی ذمہ داری کو سمجھیں اور اُن حقوق کو ادا کریں جو اُن پر غرباء کے متعلق عائد ہوتے ہیں۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ کمیونزم کا پیدا ہونا ایک سزا ہے اُن لمبے مظالم کی جو اُمراء کی طرف سے غرباء پر ہوتے چلے آئے تھے لیکن اب بھی وقت ہے کہ وہ اپنی اصلاح کرلیں اور توبہ سے اپنے گذشتہ گناہوں کو دُور کرنے کی کوشش کریں۔ اگر وہ اپنی مرضی سے غرباء کو اُن کے حقوق ادا نہیں کریں گے تو خدا اِس سزا کے ذریعہ اُن کے اموال اُن سے لے لیگا۔ لیکن اگر وہ توبہ کریں گے اور اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہو جائیں گے تو یہ ہیبت آفت جو اُن کے سروں پر منڈلا رہی ہے اسی طرح چکّر کھا کر گذر جائیگی جس طرح آندھی ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کی طرف اپنا رُخ موڑ لیتی ہے۔ اَب یہ تمہارا اختیار ہے کہ چاہو تو اللہ تعالیٰ کے اُس محبت کے ہاتھ کو جو تمہاری طرف بڑھایا گیا ہے اَدب کے ساتھ تھامو اور اپنے اموال کو غرباء کی بہبودی کے لئے خرچ کرو اور اگر چاہو تو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو برداشت کرلو اور دولت اپنے پاس رکھو جو کچھ دنوں بعد تم سے باغیوں اور فسادیوں کے ہاتھوں چھنوا دی جائیگی۔ آخر میں مَیں اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ کمیونزم کی ترقی اور روسی اقتصادیات پر غور کرتے وقت ہمیں ایک اور اہم بات بھی مدنظر رکھنی چاہیئے جو ایسے حالات میں کہی گئی ہے جبکہ روس کو دنیا میں کوئی جانتا بھی نہیں تھا۔

روس کے متعلق اڑھائی ہزار سال پہلے کی ایک پیشگوئی

روس کیا ہے! ایک ایسا ملک ہے جس نے صرف تین چار سو سال سے اہمیت حاصل کی ہے۔ اس سے پہلے وہ ایک پراگندہ قوم تھی۔ صرف چند قبائل تھے جو تھوڑے تھوڑے علاقہ پر قابض تھے مگر اپنے علاقہ میں بھی اُسکو کوئی خاص طاقت حاصل نہیں تھی۔ آج سے ایک ہزار سال پہلے وہ بہت ہی غیر معروف تھا اور اسقدر بے آباد اور ویران تھا کہ کوئی شخص اُس کی بے آبادی کی وجہ سے اس کی طرف مونہہ بھی نہیں کرتا تھا۔ اور آج سے اڑھائی ہزار سال پہلے تو اس سے کوئی شخص واقف بھی نہیں تھا۔ شاذ و نادر کے طور پر جغرافیہ والوں کو اسکا علم ہو تو ہو ورنہ یہ اسقدر ویران تھا کہ کوئی شخص اس کی طرف مونہہ کرنے کیلئے بھی تیار نہیں ہوتا تھا۔ اُس زمانہ میں جب کہ روس کو کوئی اہمیت حاصل نہیں تھی حزقیل نبی نے آج سے اڑھائی ہزار سال پہلے روس کے متعلق ایک عظیم الشان پیشگوئی کی تھی جو آج تک بائیبل میں موجود ہے اور حزقیل باب ۳۸ اور ۳۹ میں اس کا تفصیل کے ساتھ ذکر آتا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے :-

"اور خداوند کا کلام مجھ پر نازل ہوا۔ کہ اے آدم زاد! جوج کی طرف جو ماجوج کی سرزمین کا ہے اور روش اور مسک اور توبل کا فرمانروا ہے متوجہ ہو اور اُس کے خلاف نبوت کر۔ اور کہہ خداوند یوں فرماتا ہے کہ دیکھ اے جوج روش اور مسک اور توبل کے فرمانروا! میں تیرا مخالف ہوں۔ اور میں تجھے پھرا دونگا اور تیرے جبڑوں میں آنکڑے ڈال کر تجھے اور تیرے تمام لشکر اور گھوڑوں اور سواروں کو جو سب کے سب مسلح لشکر ہیں جو پھریاں اور سپریں لئے ہیں اور سب کے سب تیغ زن ہیں کھینچ نکالوں گا۔ اور اُن کے ساتھ فارس اور کوش اور فوط جو سب کے سب سپر بردار اور خود پوش ہیں۔ جمر اور اس کا تمام لشکر اور شمال کی دور اطراف کے اہل تجرمہ اور اُن کا تمام لشکر یعنی بہت سے لوگ جو تیرے ساتھ ہیں۔ تو تیار ہو اور اپنے لئے تیاری کر۔ تو اور تیری تمام جماعت جو تیرے پاس فراہم ہوئی ہے اور تو اُن کا پیشوا ہو۔ اور بہت دنوں کے بعد تو یاد کیا جائیگا اور آخری برسوں میں اُس سرزمین پر جو تلوار کے ستم سے چھڑائی گئی ہے اور جس کے لوگ بہت سی قوموں کے درمیان سے فراہم کئے گئے ہیں اسرائیل کے پہاڑوں پر جو قدیم سے ویران تھے چڑھ آئیگا۔ لیکن وہ تمام اقوام سے آزاد ہے اور وہ سب کے سب امن اور امان سے سکونت کریں گے۔ تو چڑھائی کریگا اور آندھی کی طرح آئیگا۔ تو بادل کی مانند زمین کو چھپائیگا۔ تو اور تیرا تمام لشکر اور بہت سے لوگ تیرے ساتھ۔ خداوند خدا یوں فرماتا ہے کہ اُسوقت یوں ہوگا کہ بہت سے مضمون تیرے دل میں آئیں گے اور تو ایک بُرا

منصوبہ باندھیگا۔ اور تُو کہیگا کہ مَیں دیہات کی سرزمین پر حملہ کرونگا۔ مَیں اُن پر حملہ کرونگا جو راحت و آرام سے بستے ہیں جن کی نہ فصیل ہے نہ اڑبنگے اور نہ پھاٹک ہیں۔ تاکہ تُو لُوٹے اور مال کو چھین لے اور اُن ویرانوں پر جو اب آباد ہیں اور اُن لوگوں پر جو تمام قوموں میں سے فراہم ہوئے ہیں جو مویشی اور مال کے مالک ہیں اور زمین کی ناف پر بستے ہیں اپنا ہاتھ چلائے۔ سبا اور ددان اور ترسیس کے سوداگر اور اُن کے تمام جوان شیر ببر تجھ سے پوچھیں گے کیا تُو غارت کرنے آیا ہے؟ کیا تُو نے اپنا غول اس لئے جمع کیا ہے کہ مال چھین لے اور چاندی سونا لُوٹے اور مویشی اور مال لے جائے اور بڑی غنیمت حاصل کرے۔

اس لئے اے آدم زاد نبوت کر اور جوج سے کہہ خداوند خدا یوں فرماتا ہے کہ جب میری اُمت اسرائیل امن سے بسیگی۔ کیا تجھے خبر نہ ہوگی؟ اور تو اپنی جگہ سے شمال کی دُور اطراف سے آئیگا تُو اور بہت سے لوگ تیرے ساتھ جو سب کے سب گھوڑوں پر سوار ہونگے ایک بڑی فوج اور بھاری لشکر۔ تُو میری اُمت اسرائیل کے مقابلہ کو نکلیگا اور زمین کو بادل کی طرح چھپا لیگا۔ یہ آخری دنوں میں ہوگا اور مَیں تجھے اپنی سرزمین پر چڑھا لاؤنگا تاکہ قومیں مجھے جانیں جسوقت مَیں اے جوج اُنکی آنکھوں کے سامنے تجھ سے اپنی تقدیس کراؤں۔ خداوند خدا یوں فرماتا ہے کہ کیا تو وہی نہیں جس کی بابت مَیں نے قدیم زمانہ میں اپنے خدمت گذار اسرائیلی نبیوں کی معرفت جنہوں نے ان ایام میں سالہا سال تک نبوت کی فرمایا تھا کہ مَیں تجھے اُن پر چڑھا لاؤنگا۔ اور یُوں ہوگا کہ اُن ایام میں جب جوج اسرائیل کی مملکت پر چڑھائی کریگا تو میرا قہر میرے چہرہ سے نمایاں ہوگا۔ خداوند خدا فرماتا ہے کیونکہ مَیں نے اپنی غیرت اور آتش قہر میں فرمایا کہ یقیناً اس روز اسرائیل کی سرزمین میں سخت زلزلہ آئیگا یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں اور آسمان کے پرندے اور میدان کے چرندے اور سب کیڑے مکوڑے جو زمین پر رینگتے پھرتے ہیں اور تمام انسان جو رُوئے زمین پر ہیں میرے حضور تھرتھرائینگے اور پہاڑ گر پڑینگے اور کراڑے بیٹھ جائینگے اور ہر ایک دیوار زمین پر گر پڑیگی۔ اور مَیں اپنے سب پہاڑوں سے اُس پر تلوار طلب کرونگا خداوند خدا فرماتا ہے اور ہر ایک انسان کی تلوار اُس کے بھائی پر چلیگی اور مَیں وبا بھیجکر اور خونریزی کرکے اُسے سزا دونگا اور اُس پر اور اس کے لشکروں پر اور اُن بہت سے لوگوں پر جو اس کے ساتھ ہیں شدت کا مینہ اور بڑے بڑے اولے اور آگ اور گندھک برساؤنگا اور اپنی بزرگی اور اپنی تقدیس کراؤنگا اور بہت سی قوموں کی نظروں میں مشہور ہونگا اور وہ جانینگے کہ خداوند مَیں ہوں۔

پس اے آدم زاد! تُو جوج کے خلاف نبوت کر اور کہہ خداوند خدا یوں فرماتا ہے دیکھ اے جوج روش اور مسک اور توبل کے فرمانروا مَیں تیرا مخالف ہوں۔ اور مَیں تجھے پھرا دونگا۔ اور تجھے لئے پھرونگا اور شمال کی دُور اطراف سے چڑھا لاؤنگا اور تجھے اسرائیل کے پہاڑوں پر پہنچاؤنگا اور تیری کمان تیرے بائیں ہاتھ سے چھڑا دونگا اور تیرے تیر تیرے دہنے ہاتھ سے گرا دونگا۔ تُو اسرائیل کے

پہاڑوں پر اپنے سب لشکر اور حمایتیوں سمیت گر جائیگا اور میں تجھے ہر قسم کے شکاری پرندوں اور میدان کے درندوں کو دونگا کہ کھا جائیں۔ تو کھلے میدان میں گریگا کیونکہ میں ہی نے کہا خداوند خدا فرماتا ہے۔ اور میں ماجوج پر اور اُن پر جو جزیروں میں امن سے سکونت کرتے ہیں آگ بھیجونگا اور وہ جانیں گے کہ میں خداوند ہوں اور میں اپنے مقدس نام کو اپنی امت اسرائیل میں ظاہر کرونگا اور پھر اپنے مقدس نام کی بے حرمتی نہ ہونے دونگا اور قومیں جانیں گی کہ میں خداوند اسرائیل کا قدوس ہوں۔ دیکھ وہ پہنچا اور وقوع میں آیا خداوند خدا فرماتا ہے۔ یہ وہی دن ہے جسکی بابت میں نے فرمایا تھا۔ تب اسرائیل کے شہروں کے بسنے والے نکلیں گے اور آگ لگا کر ہتھیاروں کو جلائیں گے یعنی سپروں اور پھریوں کو۔ کمانوں اور تیروں کو۔ اور بھالوں اور برچھیوں کو اور وہ سات برس تک اُن کو جلاتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ وہ نہ میدان سے لکڑی لائیں گے اور نہ جنگلوں سے کاٹیں گے۔ کیونکہ وہ ہتھیار ہی جلائیں گے اور وہ اپنے لوٹنے والوں کو لوٹیں گے اور اپنے غارت کرنیوالوں کو غارت کریں گے خداوند خدا فرماتا ہے۔

اور اُسی دن یوں ہوگا کہ میں وہاں اسرائیل میں جوج کو ایک گورستان دونگا یعنی راہگذروں کی وادی جو سمندر کے شرق میں ہے اُس سے راہگذروں کی راہ بند ہوگی اور وہاں جوج کو اور اس کی تمام جمعیت کو دفن کریں گے اور جمعیت جوج کی وادی اُسکا نام رکھیں گے اور سات مہینوں تک بنی اسرائیل انکو دفن کرتے رہیں گے تاکہ ملک کو صاف کریں۔ ہاں اُس ملک کے سب لوگ انکو دفن کرینگے اور یہ اُن کیلئے ناموری کا سبب ہوگا جس روز میری تمجید ہوگی خداوند خدا فرماتا ہے۔ اور وہ چند آدمیوں کو چن لیں گے جو اس کام میں ہمیشہ مشغول رہیں گے اور وہ زمین پر گذرتے ہوئے رہگذروں کی مدد سے اُن کو جو سطح زمین پر پڑے رہ گئے ہوں دفن کرینگے تاکہ اُسے صاف کریں پورے سات مہینوں کے بعد تلاش کریں گے۔ اور جب وہ ملک میں سے گذریں اور اُن میں سے کوئی کسی آدمی کی ہڈی دیکھے تو اُسکے پاس ایک نشان کھڑا کریگا جب تک دفن کرنیوالے جمعیت جوج کی وادی میں اُسے دفن نہ کریں۔ اور شہر بھی جمعیت کہلائیگا یوں وہ زمین کو پاک کریں گے۔

اور اے آدمزاد! خداوند خدا فرماتا ہے ہر قسم کے پرندے اور میدان کے ہر ایک جانور سے کہہ جمع ہو کر آؤ میرے اس ذبیحہ پر جسے میں تمہارے لئے ذبح کرتا ہوں۔ ہاں اسرائیل کے پہاڑوں پر ایک بڑے ذبیحہ پر ہر طرف سے جمع ہو تاکہ تم گوشت کھاؤ اور خون پیو۔ تم بہادروں کا گوشت کھاؤ گے اور زمین کے امرا کا خون پیو گے۔ ہاں مینڈھوں۔ برّوں۔ بکروں اور بیلوں کا۔ وہ سبکے سب بسن کے فربہ ہیں۔ اور تم میرے ذبیحہ کی جسے میں نے تمہارے لئے ذبح کیا یہاں تک چربی کھاؤ گے کہ سیر ہو جاؤ گے اور اتنا خون پیو گے کہ مست ہو جاؤ گے اور تم میرے دسترخوان پر گھوڑوں اور سواروں سے

اور بہادروں اور تمام جنگی مردوں سے سیر ہوگے خداوند خدا فرماتا ہے۔ اور میں قوموں کے درمیان اپنی بزرگی ظاہر کرونگا اور تمام قومیں میری سزا کو جو میں نے دی اور میرے ہاتھ کو جو میں نے اُن پر رکھا دیکھے گی۔"

دیکھو حزقیل نبی اس زمانہ میں جب کوئی شخص روس کو نہ جانتا تھا اور جب کسی شخص کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ روس دنیا میں اسقدر ترقی کریگا کہ اپنی حکومت اور شوکت کے ذریعہ سب پر چھا جائیگا روس کے متعلق پیشگوئی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے روس۔ ماسکو اور ٹوبالسک کے بادشاہ: خداوند خدا یوں فرماتا ہے کہ میں دنیا کے آخری زمانہ میں تیری طاقت کو بڑھاؤنگا اور تیری شوکت میں غیر معمولی اضافہ کرونگا یہاں تک کہ تو اس گھمنڈ میں کہ تیری طاقت بہت بڑھ چکی ہے اور تیری عظمت میں اضافہ ہوگیا ہے غیر ملکوں کو اپنے قبضہ میں لانے اور انکے اموال اور اُن کے مواشی اور ان کی دولت کو لوٹنے کی کوشش کریگا یہاں تک کہ فارس اور ایران پر بھی تیرا قبضہ ہو جائیگا (جسکی بنیاد ڈالنے کے لئے روس اب ایران کے چشمے مانگ رہا ہے) اے روس۔ ماسکو اور ٹوبالسک کے بادشاہ! اسلئے کہ تو غیر ملکوں کی دولت کو لوٹ لے۔ اُن کا سونا اور چاندی اپنے قبضہ میں کرلے اور اُن کے مواشی اور ان کے اموال کو غصب کرلے اپنے ملک میں سے نکلیگا (پیشگوئی کے اس حصہ سے ظاہر ہے کہ کمیونزم کا اقتصادی نظام پہلے نظاموں سے بھی زیادہ دوسرے ملکوں کے لئے خطرناک ہوگا) اور غیر ممالک پر حملہ کرتے ہوئے بڑھتا چلا جائیگا۔ یہاں تک کہ تو یروشلم پر حکومت کرنا چاہیگا جسکی حفاظت کا کوئی سامان نہیں۔ تب میرا غضب تجھ پر بھڑکیگا میں آگ اور گندھک کا مینہ تجھ پر برساؤنگا۔ اور میں تجھے بنسیاں مار مار کر تیرے مونہہ اور جبڑوں کو چیر دونگا اور تجھے اس طرح تباہ و برباد کرونگا کہ تیری لاشوں کے انبار جنگلوں میں لگ جائیں گے اور لوگ انہیں مہینوں تک زمین میں دفن کرتے رہیں گے۔

وہ لوگ جو پیشگوئیوں کو نہیں مانتے میں اُن سے کہتا ہوں کہ اگر دنیا کا کوئی خدا نہیں ہے اور اگر وہ اپنے انبیاء کو غیب کی خبروں سے اطلاع نہیں دیا کرتا تو آج سے اڑھائی ہزار سال پہلے حزقیل نبی کو یہ کس نے بتا دیا تھا کہ ایک زمانہ میں روس دنیا کی زبردست طاقت بن جائیگا۔ اور وہ دنیا کا سونا اور چاندی لوٹنے کے لئے غیر ممالک پر حملہ کریگا۔ اور بادل کی طرح ان پر چھا جائیگا مگر آخر خدا کا غضب اُس پر بھڑکیگا اور وہ آسمانی عذاب کا نشانہ بن کر تباہ و برباد ہو جائیگا۔ اس نکتہ پر غور کرنے کے بعد انسان سوائے اس کے اور کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا

کہ اس قسم کی قبل از وقت خبریں دینا خدا کا ہی کام ہے اور اگر دنیا کا ایک خدا ہے اور اُس خدا نے حزقیل نبی کو یہ خبر دی ہے جو آجتک بائیبل میں لکھی ہوئی موجود ہے۔ تو پھر اِس خبر کے جو آج سے اڑہائی ہزار سال پہلے دی گئی سوائے اِس کے اور کوئی معنے نہیں ہیں کہ خدا اِس اقتصادی نظام کو دنیا میں رہنے دینے کیلئے تیار نہیں ہے۔

روس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی

ایک نئی پیشگوئی بھی سُن لو۔ اِس زمانہ میں بانیٔ سِلسلہ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو زار روس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ اُس پر ایک نہایت ہی شدید عذاب آنے والا ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا۔

ع زار بھی ہوگا تو ہوگا اُس گھڑی باحالِ زار

یعنی وہ گھڑی آنے والی ہے جب کہ زار بھی باحالِ زار ہو جائیگا۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے عین مطابق بالشویک لوگوں نے زار اور اُس کے خاندان کی مستورات کو ایسے ایسے سخت عذاب دیئے اور اِس اِس رنگ میں اُن کی بے حرمتی کر کے اُن کو مارا کہ وہ واقعات آج بھی سن کر دشمن سے دشمن انسان کا دل بھی کانپ اُٹھتا ہے۔ اور اس کے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے مگر اُس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک اور بھی خبر دی جو یہ ہے۔ "۲۲ر جنوری ۱۹۰۳ء کو مَیں نے کشفی حالت میں دیکھا کہ زار روس کا سونٹا میرے ہاتھ میں آ گیا ہے۔ وہ بڑا لمبا اور خوبصورت ہے۔ پھر مَیں نے غور سے دیکھا تو وہ بندوق ہے اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ بندوق ہے بلکہ اُس میں پوشیدہ نالیاں بھی ہیں گویا بظاہر سونٹا معلوم ہوتا ہے اور وہ بندوق بھی ہے۔" تذکرہ ص ۴۲۹

رُویا میں کسی حکومت کا عصا دیئے جانے کے معنے وہاں طاقت اور نفوذ کے حاصل ہونے کے ہوتے ہیں۔ پس جہاں حزقیل نبی کی خبر یہ بتا رہی ہے کہ کمیونسٹ نظامِ اقتصاد کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں قائم رکھنا پسند نہیں کرتا اور یہ کہ اگر اس نظام کے متوّلیوں نے اِس سے توبہ نہ کی اور وہ غیر قوموں میں دخل اندازی اور تصرف سے باز نہ آیا تو خدا تعالیٰ کا عذاب اُس پر نازل ہوگا اور وہ اس کی ہیبت ناک سزا کا نشانہ بن کر دنیا کے لئے ایک عبرت کا سامان پیدا کر جائیگا وہاں بانیٔ سِلسلہ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ آخر روس کا نظام ہمارے ہاتھوں میں دیا جائیگا اور اُس کی اصلاح کا کام ہمارے سپرد ہوگا۔ یہ خدائی کلام ہیں جو ایسے وقت میں کہے گئے ہیں جبکہ اُن کے

پورا ہونے کے کوئی بھی اسباب دنیا میں نظر نہیں آتے تھے اور نہ اب نظر آتے ہیں۔ مَیں ان ہزاروں لوگوں کے سامنے جو آج اس مقام پر جمع ہیں خدا تعالےٰ کے اِن کلاموں کو پیش کرتا ہوں۔ حزقی ایل نبی کا کلام وہ ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام سے چھ سو سال پہلے یعنی آج سے دو ہزار پانچسو سال پہلے نازل ہوا جبکہ روس کو کوئی جانتا بھی نہیں تھا۔ اور کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ وہ اتنی طاقت حاصل کریگا کہ غیر اقوام میں دخل اندازی شروع کردیگا اور اُن کے سونے اور چاندی کو جمع کرنے لگ جائیگا۔ پس غور کرو کہ کتنی عظیم الشان پیشگوئی ہے جو روس کے متعلق کی گئی۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بانیٔ سلسلۂ احمدیہ کی پیشگوئی موجود ہے جس میں آپ کو زارِ روس کی تباہی کی خبر دی گئی اور دنیا نے دیکھ لیا کہ وہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔ اب دوسری پیشگوئی یہ ہے کہ ایک دن روس کی حکومت بدل کر ایسے رنگ میں آجائیگی کہ اُسکا عصا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ میں دیا جائیگا۔ جس طرح رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دیکھا کہ آپ کو قیصر و کسریٰ کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں مگر وہ کنجیاں آپ کی بجائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آئیں۔ اِسی طرح گو زار روس کے عصا کے متعلق یہ دکھایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہ عصا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ میں دیا مگر انبیاء کے ذریعہ جو پیشگوئیاں کی جاتی ہیں وہ سب کی سب اُنکے ہاتھ پر پوری نہیں ہوتیں بلکہ اُن میں سے اکثر اُن کی جماعتوں کے ذریعہ پوری ہوتی ہیں اور اِس پیشگوئی کے متعلق بھی ایسا ہی ہوگا۔ یہ خیالی بات نہیں بلکہ ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ روس کی خرابیوں کو درست کرنا اور اُسکے نظام کی اصلاح کرنا اللہ تعالےٰ نے ہمارے سپرد کیا ہے اور ایک دن روس کے لوگ جماعت احمدیہ میں داخل ہو کر اس کے بیان کردہ نظام کو اپنے ہاں جاری کرینگے۔ پس جلد یا بدیر کمیونزم کا نظر آنیوالا زبردست خطرہ دُور ہو جائیگا اور لوگوں کو معلوم ہو جائیگا کہ دنیا کی خرابیوں کی اصلاح اور اُن کے دکھوں کا علاج صرف اسلامی تعلیم میں ہی پایا جاتا ہے۔

کمیونزم کی تباہی کے متعلق ایک رؤیا

چوبیس سال کی بات ہے مَیں نے رؤیا میں دیکھا کہ ایک بہت بڑا میدان ہے جس میں مَیں کھڑا ہوں۔ اتنے میں مَیں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک عظیم الشان بلا جو ایک بہت بڑے اژدہا کی شکل میں ہے دُور سے چلی آرہی ہے وہ اژدہا دس بیس گز لمبا ہے

اور ایسا موٹا ہے جیسے کوئی بڑا درخت ہو۔ وہ اژدہا بڑھتا چلا آتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ دنیا کے ایک کنارے سے چلا ہے اور درمیان میں جسقدر چیزیں تھیں اُن سب کو کھاتا چلا آ رہا ہے یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے وہ اژدہا اُس جگہ پر پہنچ گیا جہاں ہم ہیں اور مَیں نے دیکھا کہ باقی لوگوں کو کھاتے کھاتے وہ ایک احمدی کے پیچھے بھی دوڑا۔ وہ احمدی آگے آگے ہے اور اژدہا پیچھے پیچھے۔ مَیں نے جب دیکھا کہ اژدہا ایک احمدی کو کھانے کے لئے دوڑ پڑا ہے تو مَیں ہاتھ میں سونٹا لے کر اُس کے پیچھے بھاگا لیکن خواب میں مَیں محسوس کرتا ہوں کہ مَیں اتنی تیزی سے دوڑ نہیں سکتا جتنی تیزی سے سانپ دوڑتا ہے۔ چنانچہ مَیں اگر ایک قدم چلتا ہوں تو سانپ دس قدم کے فاصلہ پر پہنچ جاتا ہے۔ بہرحال مَیں دوڑتا چلا گیا یہاں تک کہ مَیں نے دیکھا وہ احمدی ایک درخت کے قریب پہنچا اور تیزی سے اُس پر چڑھ گیا۔ اُس نے خیال کیا کہ اگر میں درخت پر چڑھ گیا تو مَیں اژدہا کے حملہ سے بچ جاؤنگا مگر ابھی وہ اس درخت کے نصف میں ہی تھا کہ اژدہا اُس کے پاس پہنچ گیا اور سر اٹھا کر اُسے نگل گیا۔ اس کے بعد وہ پھر واپس لوٹا اور اِس غصہ میں کہ مَیں اُس احمدی کو بچانے کیلئے کیوں اُس کے پیچھے دوڑا تھا اُس نے مجھ پر حملہ کیا۔ مگر جب وہ مجھ پر حملہ کرتا ہے تو مَیں کیا دیکھتا ہوں کہ میرے قریب ہی ایک چارپائی پڑی ہوئی ہے مگر وہ بُنی ہوئی نہیں صرف پٹیاں وغیرہ ہیں۔ جسوقت اژدہا میرے پاس پہنچا مَیں کود کر اُس چارپائی کی پٹیوں پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہو گیا اور مَیں نے اپنا ایک پاؤں اُس کی ایک پٹی پر اور دوسرا پاؤں اُس کی دوسری پٹی پر رکھ لیا۔ جب اژدہا چارپائی کے قریب پہنچا تو کچھ لوگ مجھے کہتے ہیں کہ آپ اس کا مقابلہ کس طرح کر سکتے ہیں جبکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما چکے ہیں کہ لَا يَدَانِ لِاَحَدٍ بِقِتَالِهِمَا۔ اُس وقت مجھے محسوس ہوتا ہے کہ یہ سانپ کا حملہ دراصل یاجوج اور ماجوج کا حملہ ہے کیونکہ یہ حدیث اُن کے بارہ میں ہے۔ مَیں اُسوقت یہ بھی خیال کرتا ہوں کہ یہ دجال بھی ہے۔ اتنے میں وہ اژدہا میری چارپائی کے قریب پہنچ گیا اور مَیں نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا دیئے اور اللہ تعالےٰ سے دُعا مانگنی شروع کر دی۔ اِسی دوران میں اُن احمدیوں سے جنہوں نے مجھے مقابلہ کرنے سے منع کیا تھا اور کہا تھا کہ جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم یہ فرما چکے ہیں کہ یاجوج اور ماجوج کا مقابلہ دنیا کی کوئی طاقت نہیں کر سکیگی مَیں کہتا ہوں کہ رسول کریم

ی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ لَا یَدَانِ لِاَحَدٍ بِقِتَالِهِمَا کسی کے پاس کوئی ایسا ہ نہیں ہوگا جس سے وہ اُن کا مقابلہ کر سکے مگر مَیں نے تو اپنے ہاتھ مقابلہ کے لئے اُس کی طرف نہیں بڑھائے اپنے دونوں ہاتھ خدا کی طرف اُٹھا دیئے ہیں اور خدا کی طرف ہاتھ اٹھا کر فتح پانے کے امکان کو رسول کریم ی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ردّ نہیں فرمایا۔ غرض مَیں نے دعا کرنی شروع کر دی کہ اے خدا مجھ میں تو اقت نہیں کہ مَیں اِس فتنہ کا مقابلہ کر سکوں لیکن تجھ میں سب طاقت اور قدرت ہے مَیں تجھ سے التجاء ا ہوں کہ تُو اِس فتنہ کو دُور فرما دے۔ جب مَیں نے یہ دُعا کی تو مَیں نے دیکھا کہ آسمان سے اُس اژدہا کی ت میں تغیّر پیدا ہونے لگا جیسے پہاڑی کیڑے پر نمک گرانے سے ہوتا ہے۔ اِس کے نتیجہ میں اُس اژدہا جوش میں کمی آنی شروع ہو گئی اور آہستہ آہستہ اُس کی تیزی بالکل کم ہو گئی۔ چنانچہ پہلے تو وہ میری ر پائی کے نیچے گھُسا۔ پھر اُس کے جوش میں کمی آنی شروع ہو گئی۔ پھر وہ خاموشی سے بیٹھ گیا اور پھر مَیں دیکھا کہ وہ ایک ایسی چیز بن گیا ہے جیسے جیلی ہوتی ہے۔ اور بالآخر وہ اژدہا پانی ہو کر بہہ گیا۔ اور ں نے اپنے ساتھیوں سے کہا دیکھو دعا کا کیسا اثر ہوا بیشک میرے اندر طاقت نہیں تھی کہ مَیں اُسکا ابلہ کر سکتا مگر میرے خدا میں تو طاقت تھی کہ وہ اس خطرہ کو دُور کر دیتا۔

یک قابل ذکر امر

یہ امر یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم کسی کے دشمن نہیں ہیں ہم ہر ایک کے خیر خواہ ہیں۔ اور دشمن سے دشمن انسان کی بدخواہی کا خیال بھی ہمارے دل کے کسی گوشہ ں نہیں آتا۔ ہم چاہتے ہیں کہ دنیا میں اخلاق کی فتح ہو، روحانیت کی ترقی ہو۔ خدا اور اس کے رسول کی کومت قائم ہو اور ہم چاہتے ہیں کہ دنیا میں جو بھی نظام جاری ہو خواہ وہ اقتصادی ہو یا سیاسی۔ مدّنی ہو یا معاشرتی بہرحال خدا اور اُس کے رسول کا خانہ خالی نہ رہے اور دنیا کو اُن کے احکام کی اتباع سے نہ روکا جائے۔ پس ہم روس یا کمیونزم کے دشمن نہیں بلکہ روس سے مجھے دلی ہمدردی ہے۔ اور مَیں چاہتا ہوں کہ یہ قوم جو سینکڑوں سال ظلموں کا شکار رہی ہے ترقی کرے اور اس کے دن پھریں۔ ہاں یہ مَیں یا اور کوئی حریت پسند برداشت نہیں کر سکتا کہ ایک غلط فلسفہ کو بعض قوموں کی ترقی اور دوسروں کے تنزل کا موجب بنایا جائے۔ پس اسلام اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بیان فرمودہ

ہدایات کو اگر دنیا کا کوئی نظام اپنا لے اور اپنا نظام اسلامی رنگ میں ڈھال لے تو اس کی باتیں ہمارے سر آنکھوں پر۔ لیکن اگر وہ ایسا نہ کرے تو مذہبی لوگ اِس بات کے پابند ہیں کہ وہ اس نظام کو قبول نہ کریں۔ کیونکہ بیشک روٹی کی تکلیف بھی بڑی تکلیف ہے مگر مذہب ایسی چیز ہے جسے انسان کسی حالت میں بھی قربان کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔

مَیں نے اس مضمون کے بیان کرنے میں بہت کچھ اختصار کر دیا ہے اور کئی باتیں چھوڑ دی ہیں لیکن پھر بھی مَیں نے لمبا وقت لے لیا ہے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ اسلامی اقتصادیات اور کمیونزم کے اثرات کے متعلق مَیں نے جن امور پر روشنی ڈالی ہے دوست اُن پر غور کریں گے۔ اور محض سُنی سُنائی باتوں کے پیچھے نہیں چلیں گے کیونکہ ذہنی ارتقاء کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ جس بات کو بھی اختیار کیا جائے اُس کے تمام پہلوؤں پر سنجیدگی کے ساتھ غور کر لیا جائے تاکہ انسان جس راستہ کو بھی اختیار کرے سوچ سمجھ کر کرے اور جس نظام کو بھی قبول کرے کُھلی آنکھوں کے ساتھ کرے۔ یہی وہ طریق ہے جس پر عمل کرنے سے سچائی ظاہر ہو سکتی ہے اور فتنہ و فساد کا سدِّ باب ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ مجھ پر بھی رحم فرمائے اور اپنی ہدایت کی راہوں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو بھی اُس راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے جو آپ کے لئے بھی مفید ہو اور آپ کی اولادوں کے لئے بھی مفید ہو۔ آپ کے دین کے لئے بھی مفید ہو اور آپ کی دنیا کے لئے بھی مفید ہو۔

واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین